زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

# ماہنامہ اشراق

اگست 2024ء

مدیر: سید منظور الحسن

اشراق آڈیو

مدیر آڈیو: محمد حسن الیاس

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

# ماہنامہ اشراق

جلد ۲ شمارہ ۸ اگست ۲۰۲۴ء محرم الحرام/صفر ۱۴۴۶ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

معاون مدیر: شاہد محمود

مدیر آڈیو اشراق: محمد حسن الیاس

مجلس تحریر: ریحان احمد یوسفی، ڈاکٹر عمار خان ناصر، ڈاکٹر عرفان شہزاد، محمد ذکوان ندوی، نعیم بلوچ

## فہرست

**شذرات**

پاکستان قومی ریاست یا مذہبی ریاست—غامدی صاحب کا موقف — سید منظور الحسن — 3

تفہیم الآثار — ڈاکٹر عمار خان ناصر — 6

**قرآنیات**

البیان: البقرہ 2: 176-168 (12) — جاوید احمد غامدی — 16

**معارف نبوی**

احادیث — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — 19

**مقامات**

امین احسن (2) — جاوید احمد غامدی — 21

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

**دین و دانش**

شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (13) — سید منظور الحسن — 27

**نقد و نظر**

قرآن اور مروَّجہ مشیخت — محمد ذکوان ندوی — 32

'غامدی صاحب کا تصورِ نظم': محمد مشتاق احمد کے تنقیدی مضمون کا جائزہ — ڈاکٹر عرفان شہزاد — 34

**نقطۂ نظر**

امام مہدی — ایک نہیں دو! — عدنان اعجاز — 38

احکام حجاب کی تفہیم میں نظم قرآن کی اہمیت (1) — سید محمد رضوان علی — 44

**اصلاح و دعوت**

دین کا بنیادی اصول — ریحان احمد یوسفی — 52

**سیر و سوانح**

حیاتِ امین (12) — نعیم احمد بلوچ — 54

**ادبیات**

وادیِ کشمیر — جاوید احمد غامدی — 63

**حالات و وقائع**

پاکستان، امریکہ اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ (3) — محمد حسن الیاس / رانا معظم صفدر — 65

خبر نامہ "المورد امریکہ" — شاہد محمود — 70

سید منظور الحسن

# پاکستان قومی ریاست یا مذہبی ریاست

## غامدی صاحب کا موقف

ریاستِ پاکستان کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ یہ نہ اُس طرح کی مذہبی ریاست ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے جزیرہ نماے عرب میں قائم کی تھی اور جس میں کسی غیر مسلم کو شہریت کا حق حاصل نہیں تھا اور نہ یہ کسی فرد یا گروہ کی مقبوضہ ریاست ہے، جس میں بادشاہ یا حکمران کا مذہب ہی ریاست کا مذہب قرار پاتا ہے۔ اِس کا شمار جدید دور کی قومی ریاستوں میں ہوتا ہے، جو بین الاقوامی معاہدوں کی بنا پر قائم ہوتی ہیں۔ اِن میں قومیت کی اساس رنگ و نسل یا نظریہ اور مذہب نہیں، بلکہ ملک ہوتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمان ہندوستانی کہلاتے ہیں اور شہریت کے معاملے میں ہندوؤں کے مساوی حقوق کے حامل ہوتے ہیں اور پاکستان میں رہنے والے ہندو پاکستانی کہلاتے ہیں اور ملک کے مسلمان باشندوں کی طرح اول درجے کے شہریوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ہندوستانی ہونے سے نہ اُن کے مسلمان ہونے پر حرف آتا ہے اور نہ پاکستانی ہونے سے اِن کے ہندو ہونے پر۔ اُن کے نزدیک یہی وہ حقیقت ہے جسے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے پہلی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے اِن الفاظ میں بیان کیا تھا:

”اب ہمیں اِس بات کو ایک نصب العین کے طور پر اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے اور پھر آپ

دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا نہ ہندو ہندو رہے گا، نہ مسلمان مسلمان۔ مذہبی اعتبار سے نہیں، کیونکہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے، بلکہ سیاسی اعتبار سے اور ایک مملکت کے شہری کی حیثیت سے۔'' (قائداعظم: تقاریر و بیانات 4/359)

اِس تفصیل سے واضح ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک مسلم تشخص اور پاکستانی تشخص نہ باہم مغائر ہیں اور نہ لازم وملزوم۔ ایک مسلمان، مسلمان ہوتے ہوئے جس طرح عرب بھی ہو سکتا ہے اور امریکی، ایرانی اور افغانی بھی ہو سکتا ہے، اُسی طرح پاکستانی بھی ہو سکتا ہے، لیکن پاکستانی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لازماً مسلمان بھی ہو گا۔ پاکستان کے مسلمان مذہبی اعتبار سے تقسیم ہند سے پہلے بھی مسلمان تھے اور بعد میں بھی مسلمان رہے۔ تاہم، قومی اعتبار سے وہ پہلے ہندوستانی تھے اور بعد میں پاکستانی ہو گئے۔ چنانچہ غامدی صاحب کے موقف سے اِس طرح کا تاثر قائم کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ تحریکِ پاکستان کے تناظر میں دو قومی نظریے کو درست نہیں سمجھتے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے، وہ مذہبی تشخص کی بنیاد پر جداگانہ قومیت کے تصور اور اُس کے نتیجے میں علیحدہ وطن کے مطالبے کو بالکل جائز قرار دیتے ہیں۔ البتہ، وہ اِسے ایک خالص سیاسی مطالبہ سمجھتے ہیں، جس کا دین و شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ اُن کے نزدیک یہی وجہ ہے کہ نہ بانی پاکستان نے اِسے دین کے مطالبے کے طور پر پیش کیا ہے اور نہ کانگرس کے مسلمان علما نے اِسے شریعت کے منافی قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''... تحریکِ پاکستان کے زمانے میں اگر مسلمانوں کا اصرار تھا کہ وہ ہندوؤں کے مقابل میں الگ قوم ہیں اور اِسی بنیاد پر ہندوستان میں اپنے لیے الگ ملک کا مطالبہ کرتے ہیں تو اِس میں بھی کوئی غلطی نہیں تھی اور پاکستان بننے کے اگلے ہی دن اگر اُنھوں نے اپنے لیے پاکستانی قومیت کا اعلان کر دیا تو دین و شریعت کی رو سے اِس پر بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے تو کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اُس کے نزدیک مولانا ابوالکلام آزاد اور قائداعظم محمد علی جناح میں سے ایک کا موقف صحیح اور دوسرے کا غلط تھا اور ہم اُس سے اتفاق یا اختلاف بھی کر سکتے ہیں، لیکن مذہبی نقطۂ نظر سے دونوں کے موقف پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد کے موقف پر قائداعظم نے بھی اِس لحاظ سے کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔''

(مقامات 223)

یہ ریاست اور اُس کی قومی شہریت کے حوالے سے جناب جاوید احمد غامدی کا موقف ہے کہ اُن کو مذہبی تشخص کا حامل نہیں ہونا چاہیے، لیکن جہاں تک حکومت کا تعلق ہے تو اگر وہ مسلمانوں کی منتخب حکومت ہے تو وہ نہ صرف اسلامی تشخص کی آئینہ دار ہے، بلکہ اُن تمام احکام کی پابندی کی مکلف ہے جنھیں شریعت نے اُس کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ یعنی اُس کا نظام 'اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ' کے اصول پر مبنی ہو گا۔ وہ اپنے مسلمان شہریوں سے نماز کا مطالبہ کرے گی اور جمعہ اور عیدین کی نمازوں کا خود اہتمام کرے گی، زکوٰۃ کا نظام قائم کرے گی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ دار ہو گی اور اِس مقصد کے لیے ادارے قائم کرے گی، ریاست کے مسلمان شہریوں پر اسلام کے حدود و تعریزات کو نافذ کرے گی، اسلام کی دعوت دنیا تک پہنچانے کے لیے اپنے وسائل بروے کار لائے گی اور اگر اِس دعوت میں دنیا کی کوئی طاقت رکاوٹ پیدا کرے گی تو اُس کو اپنی استطاعت کے مطابق دور کرے گی اور اِس مقصد کے لیے اگر جہاد و قتال کی ضرورت پیش آجائے تو اُس سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔ غامدی صاحب نے دین و شریعت کے اِن تمام نکات کو اپنے جوابی بیانیے میں پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور تاکید کے طور پر سورۂ مائدہ کی یہ تنبیہ بھی نقل کی ہے کہ جو حکمران اِن شرعی احکام کو نافذ نہیں کریں گے، وہ اللہ کے حضور ظالم، فاسق اور کافر قرار پائیں گے۔ لکھتے ہیں:

”نظم اجتماعی سے متعلق یہ شریعت کے احکام ہیں اور اِس تنبیہ و تہدید کے ساتھ دیے گئے ہیں کہ جو لوگ خدا کی کتاب کو مان کر اُس میں خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے، قیامت کے دن وہ اُس کے حضور میں ظالم، فاسق اور کافر قرار پائیں گے۔“(مقامات 208)

ڈاکٹر عمار خان ناصر

# تفہیم الآثار

(صحابہ و تابعین کے آثار کی ترتیب و تدوین اور شرح و وضاحت کا منصوبہ)

صحابہ و تابعین اور اتباع تابعین کے آثار، اسلامی علمی روایت میں احادیث نبویہ کے بعد علمی استفادہ کا اہم ترین ماخذ مانے جاتے ہیں۔ یہ وہ پہلی تین نسلیں ہیں جنھوں نے اسلامی تاریخ کے اولین مراحل میں اجتماعی حیثیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی نقل و روایت کی ذمہ داری اٹھائی اور دینی مآخذ پر غور کرنے، اور ان کی تشریح و توضیح کے علاوہ ان سے احکام و مسائل اخذ کرنے اور علم و عمل میں امت کے سامنے ایک مستند اور معیاری اسوہ پیش کرنے کی خدمت انجام دی۔ انھی اوصاف کے پیش نظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک معروف حدیث کی روشنی میں اس عہد کو 'خیر القرون' کا عنوان دیا جاتا ہے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خیر أمتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم. (بخاری، رقم 3650)

"میری امت کا بہترین طبقہ وہ ہے جو میرے دور میں ہے۔ اس کے بعد وہ طبقہ بہترین ہو گا جو اس کے بعد ہو گا اور پھر وہ طبقہ جو اس کے بعد ہو گا۔"

ان میں سے جماعت صحابہ کی دینی حیثیت اور ذمہ داری کا ذکر قرآن مجید میں بڑی خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ کیا گیا اور انھیں ایک طرح سے کار نبوت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً

"اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک

| | |
|---|---|
| لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا. (البقرہ 2:143) | درمیان کا گروہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر (اس دین) کی شہادت دینے والے بنو اور رسول تم پر (اس کی) گواہی دیں۔“ |

سورہ آل عمران میں ہے:

| | |
|---|---|
| كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ. (3:110) | ”تم بہترین گروہ ہو جسے لوگوں (کی رہنمائی) کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“ |

محدثین اور علماے اصول مذکورہ آیات کا مصداق خاص طور پر حضرات صحابۂ کرام کو قرار دیتے ہیں۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں مجموعی حیثیت میں جماعت صحابہ کے دینی اسوہ کو امت کے لیے رہنما قرار دینے کے ساتھ ساتھ خاص طور پر خلفاے راشدین، یعنی اپنے ان جانشینوں کی اتباع کی تلقین فرمائی ہے جو ہدایت یافتہ اور راہ راست پر قائم ہوں گے۔ اسی ضمن میں آپ نے صحابہ میں علم و عمل کے لحاظ سے ممتاز بعض حضرات کا خاص طور پر ذکر فرمایا اور امت کو ان سے دین سیکھنے اور ان سے رہنمائی حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

| | |
|---|---|
| إن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار إلا ملة واحدة، قالوا: ومن هي يا رسول الله؟ قال ما أنا عليه | ”بنی اسرائیل بہتّر گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری امت تہتر گروہوں میں تقسیم ہو گی، جو سب کے سب آگ میں جائیں گے، سوائے ایک گروہ کے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یار سول اللہ، وہ کون |

[1]۔ ابن عبد البر، الاستیعاب 1/ 12۔ خطیب بغدادی، الکفایہ 46۔ مقدمہ ابن الصلاح 1/ 294-295۔ ابن حجر، الاصابہ 1/ 10۔ الشاطبی، الموافقات 4/ 74۔

وأصحابي.(ترمذی، رقم2584)

سا گروہ ہو گا؟ فرمایا کہ جو اس طریقے پر چلے گا جس پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔"

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں کہ:

وإياكم ومحدثات الامور فإنها ضلالة، فمن أدرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ.(ترمذی، رقم2619)

"تم (دین میں) نئے نئے طریقوں سے اجتناب کرنا، کیونکہ وہ گم راہی کے طریقے ہوں گے۔ تم میں سے جس کو اس صورت حال کا سامنا ہو تو وہ میرے طریقے پر اور میرے ہدایت یافتہ اور راہ راست پر قائم خلفا کے طریقے پر کاربند رہے۔ تم اس کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔"

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اقتدوا بالذين بعدي أبو بكر، وعمر، واهتدوا بهدي عمار، وتمسكوا بعهد ابنِ أم عبد.
(مسند الحمیدی، رقم436)

"میرے بعد جو یہ دو آدمی، یعنی ابو بکر اور عمر ہوں گے، ان کی پیروی کرنا، اور عمار کے طریقے کو اختیار کرنا اور ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعود) کی تلقین کو مضبوطی سے تھامے رکھنا۔"

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کرتے ہیں کہ:

استقرِءوا القرآن من أربعة: من أبي بن كعب، ومعاذ بن جبل، وعبد الله بن مسعود، وسالم مولى أبِي حذيفة.(المعجم الکبیر طبرانی، رقم8324)

"قرآن ان چار آدمیوں سے سیکھو: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عبد اللہ بن مسعود اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔"

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أرأف أمتي بأمتي أبو بكر،

"میری امت پر سب سے زیادہ مہربان

وأشدهم في الإسلام عمر، وأصدقهم حياء عثمان بن عفان، وأقضاهم علي بن أبي طالب، وأفرضهم زيد بن ثابت، وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، وأقرؤهم أبي بن كعب، ولكل أمة أمين، وأمين هذه الامة أبو عبيدة بن الجراح.
(مسند ابی یعلیٰ، رقم 5714)

ابو بکر ہے، اسلام کے معاملے میں سب سے زیادہ مضبوطی رکھنے والا عمر ہے، سب سے بڑھ کر حیادار عثمان ہے، سب سے بڑھ کر فیصلے کی صلاحیت رکھنے والا علی ہے، ترکے کی تقسیم کا علم سب سے زیادہ زید بن ثابت کے پاس ہے، حلال اور حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا معاذ بن جبل ہے، اور قرآن کا سب سے اچھا قاری ابی بن کعب ہے۔ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین، ابو عبیدہ بن الجراح ہے۔"

صحابہ کے علم و عمل سے مستفید اور ان کی صحبت و تربیت سے فیض یاب ہونے والے طبقات، یعنی تابعین اور ان کے بعد اتباع تابعین نے صحابہ کے علم و عمل کو بھی آگے نقل کیا اور اسی نہج پر امت کی دینی رہنمائی کے سلسلے کو قائم رکھا۔ یوں مجموعی طور پر ان تینوں طبقات کے لیے اسلامی روایت میں ایک امتیازی حیثیت اور مقام تسلیم کیا جاتا اور خاص طور پر غیر متوازن مذہبی رجحانات اور انحرافات کے تقابل میں صحابہ و تابعین کے فہم دین کو حق و صواب کی معرفت کا مستند ترین ذریعہ مانا جاتا ہے۔

## آثار صحابہ و تابعین کی جمع و تدوین

اسی دینی و علمی اہمیت کے پیش نظر دینی علوم کے تمام شعبوں میں صحابہ و تابعین کے آثار کے ساتھ خصوصی اعتنا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مفسرین آیات کی تفسیر کے ضمن میں ان آثار کو نقل کرنے کا خاص اہتمام کرتے ہیں اور تفسیری روایت میں 'تفسیر بالماثور' کی اصطلاح بنیادی طور پر صحابہ و تابعین کے تفسیری اقوال ہی کے حوالے سے استعمال کی جاتی ہے۔ امام عبد الرزاق (وفات 211ھ)، امام ابن جریر طبری (وفات 310ھ) اور امام ابن ابی حاتم (وفات 327ھ) کی تفسیریں

اسی منہج کی نمایندہ تفاسیر ہیں، جب کہ سعید بن منصور (وفات 227ھ) کی سنن میں بھی ان تفسیری روایات واقوال کا ایک بڑا حصہ جمع کیا گیا ہے۔ متاخرین میں سے علامہ سیوطی (وفات 911ھ) کی تفسیر ''الدر المنثور'' میں عموماً یہ سب آثار یکجا مل جاتے ہیں۔

عہد صحابہ میں ہی امت میں سامنے آجانے والے کلامی واعتقادی اختلافات اور دینی رویوں میں پیدا ہونے والے انحرافات اور غیر متوازن رجحانات کے حوالے سے صحابہ وتابعین نے جو رہنمائی کی، اس کی حفاظت اور اس مضمون کے آثار کی نقل وروایت محدثین کی خاص توجہ کا مرکز رہی ہے اور بہت سے محدثین نے ان مسائل سے متعلق صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو محفوظ کرنے کے لیے متعدد مجموعے مرتب کیے ہیں۔ اس ضمن کے نمایاں مجموعوں میں عبد اللہ بن احمد (وفات 290ھ) کی ''السنۃ''، ابو بکر بن ابی عاصم (وفات 287ھ) کی ''کتاب السنۃ''، ابو بکر الخلال (وفات 311ھ) کی ''السنۃ''، ابو بکر الآجری (وفات 360ھ) کی ''الشریعۃ''، ابن مندہ (وفات 395ھ) کی ''الایمان''، ابن بطۃ (وفات 387ھ) کی ''الابانۃ الکبریٰ''، ابو القاسم اللالکائی (وفات 418ھ) کی ''شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ'' اور ابو بکر البیہقی (وفات 458ھ) کی ''الاسماء والصفات''، ''شعب الایمان''، اور ''الاعتقاد والھدایۃ الیٰ سبیل الرشاد'' کو شمار کیا جاسکتا ہے۔

فقہ واجتہاد کے دائرے میں بھی فقہا و محدثین نے آثار صحابہ کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ امام مالک (وفات 179ھ) نے اپنے فقہی اجتہادات وترجیحات کا مجموعہ ''الموطا'' کے عنوان سے مرتب کیا تو اس کے مآخذ میں ایک بڑا ماخذ صحابہ کے اجتہادات تھے۔ اسی طرح فقہاے کوفہ میں سے امام ابو یوسف (وفات 182ھ) اور امام محمد بن الحسن الشیبانی (وفات 189ھ) نے روایات کے مجموعے مرتب کیے تو وہ بھی زیادہ تر آثار صحابہ وتابعین پر ہی مشتمل تھے۔ پھر تیسری صدی ہجری کی ابتدا عبد الرزاق الصنعانی (وفات 211ھ) اور ابو بکر ابن ابی شیبہ (وفات 235ھ) نے ''المصنف'' کے عنوان سے آثار صحابہ وتابعین کے جامع مجموعے مرتب کیے، جو آج تک بنیادی مصادر کے طور پر اہل علم میں متداول ہیں۔ امام بیہقی (وفات 458ھ) کی ''السنن الکبریٰ'' اور ''معرفۃ السنن والآثار'' اور ابن حزم (وفات 456ھ) کی ''المحلیٰ بالآثار'' بھی فقہی مسائل سے متعلق صحابہ وتابعین کے آثار کا اہم ماخذ شمار کی جاتی ہیں۔

صحابہ کے فضائل ومناقب سے متعلق وارد احادیث وآثار کو محدثین نے کتب حدیث میں

مستقل ابواب کے تحت جمع کرنے کے علاوہ اس عنوان پر مستقل مجموعے مرتب کرنے کو بھی اہمیت دی۔ اس سلسلے میں احمد بن حنبل (وفات 241ھ) کی ''فضائل الصحابۃ'' اور دار قطنی (وفات 385ھ) کی ''فضائل الصحابۃ'' معروف و متداول ہیں۔

ان کے علاوہ تذکرہ نگاروں میں سے ابن سعد (وفات 230ھ) کی ''الطبقات الکبریٰ'' اور ابو نعیم (وفات 430ھ) کی ''حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء'' کا اسلوب یہ ہے کہ وہ اکابر صحابہ و تابعین کے تذکرے کے ضمن میں ان کے اقوال اور سیرت و کردار سے متعلق واقعات کا ایک انتخاب بھی پیش کر دیتے ہیں۔ یوں ان دونوں کتابوں کو بھی صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار کے اہم مصادر شمار کیا جا سکتا ہے۔

آثار صحابہ و تابعین کی اسی اہمیت کے پیش نظر دور جدید میں بھی مختلف مصنفین نے اپنے اپنے ذوق اور ترجیحات کے مطابق مختلف انداز میں صحابہ و تابعین کے آثار کے مجموعے مرتب کیے ہیں جن میں محمد العنانی کی ''الجامع الصحیح لآثار الصحابۃ''، الدکتور حکمت بن بشیر العراقی کا ''موسوعۃ الصحیح المسبور من التفسیر بالماثور''، ابو عبد اللہ الدانی بن منیر آل زھوی کی ''سلسلۃ الآثار الصحیحۃ''، زکریا بن غلام قادر کی ''ما صح من آثار الصحابۃ فی الفقہ''، عاطف عبد الوہاب حماد کے ''جامع الآثار القولیۃ والفعلیۃ الصحیحۃ'' کے زیر عنوان مرتب کردہ متعدد مجموعے، عبد اللہ بن فہد الخلیفی کے ''الصحیح المسند'' کے زیر عنوان متعدد صحابہ کے آثار پر مبنی مجموعے اور الدکتور مساعد بن سلیمان الطیار کی نگرانی میں مرتب کیا جانے والا مبسوط ''موسوعۃ التفسیر الماثور'' بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔

یہ دعویٰ تو بہت مشکل ہے کہ ان مجموعوں میں فقہاے صحابہ کے آثار مکمل طور پر محفوظ ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر صحابہ میں سے علم و تفقہ کے اعتبار سے خلفاے راشدین، سیدہ عائشہ، معاذ بن جبل، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود، سیدنا معاویہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم نہایت ممتاز تھے اور یہ حضرات عملی مسائل کے حوالے سے راے دینے کے علاوہ قرآن مجید کو بھی خاص طور پر اپنے تفکر و تدبر کا موضوع بنائے رکھتے تھے، تاہم تفسیری ذخیرے میں ہمیں ابن عباس اور ابن مسعود کے علاوہ دیگر صحابہ کے اقوال و آرا کا ذکر شاذ ہی ملتا ہے۔ اسی طرح صحابہ کے دور کے جو فتاویٰ اور واقعات ہم تک پہنچے ہیں، ان میں سے زیادہ تر وہ ہیں جو اس وقت کے معروف علمی مراکز میں پیش آئے یا جن کی اطلاع مخصوص اسباب کے تحت وہاں تک پہنچ گئی

اور آثار وروایات کی صورت میں ان کی حفاظت کا بندوبست ممکن ہو سکا۔ ان کے علاوہ مملکت کے دور دراز اطراف، مثلاً یمن، بحرین اور مصر وغیرہ میں کیے جانے والے فیصلوں کی تدوین سرکاری سطح پر بھی نہیں کی گئی اور حجاز، عراق اور شام کی نمایاں تر علمی حیثیت کے تناظر میں اہل علم نجی طور پر بھی نسبتاً کم اہمیت کے حامل ان علاقوں کے علمی آثار کی حفاظت و تدوین کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ تاہم محدثین نے جتنا ذخیرہ محفوظ کیا ہے، اس کا دائرہ بھی ہرگز محدود نہیں اور اپنی دینی و علمی قدر و قیمت کے اعتبار سے تمام دائروں میں یہ ذخیرہ اہل علم کی توجہ اور استفادہ کا مرکز رہا ہے۔

## تفہیم الآثار کا مجوزہ منصوبہ

اردو زبان میں صحابہ و تابعین کے آثار کی ترتیب و تدوین اور شرح و وضاحت پر مبنی کوئی مستقل تصنیفی کام موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ تحقیق و تخریج کے جدید وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے اس نوعیت کا ایک جامع مجموعہ مرتب کیا جائے۔ ''تفہیم الآثار'' کے مجوزہ مجموعے میں مختلف علمی و دینی موضوعات سے متعلق صحابہ و تابعین کے نمایندہ آثار کے انتخاب اور ان کی ضروری شرح و وضاحت سے اسی ضرورت کی تکمیل پیش نظر ہے۔ آثار کی موضوعاتی تبویب کے لیے جو بنیادی دائرے متعین کیے گئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

### 1۔ صحابہ کی دینی حیثیت اور ذمہ داریاں

اس باب میں صحابہ کی دینی حیثیت اور ان خاص ذمہ داریوں سے متعلق جو صحابہ و تابعین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہ طور جماعت انجام دیں، آثار کا مطالعہ کیا جائے گا۔ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتمام حجت کے تسلسل میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فتح و نصرت کی بشارتوں کی بنیاد پر جہاد و قتال کی جو ذمہ داری انجام دی، اس کی اہم تفصیلات اسی باب میں بیان کی جائیں گی۔ دین کی نقل و روایت کے ضمن میں قرآن مجید اور سنت کی تعلیم و اشاعت کے لیے صحابہ نے جو مساعی کیں، ان کی تفصیلات آثار و روایات کی روشنی میں مرتب کی جائیں گی۔ خلافت و اقتدار کے باب میں امت کی سیاسی قیادت اور رہنمائی کی جو ذمہ داری صحابہ کو دی گئی اور ایک خاص تاریخی مرحلے میں انھیں جس آزمایش کا سامنا کرنا پڑا، اس کی تفصیلات کا

مطالعہ بھی متعلقہ آثار کی روشنی میں اسی باب میں کیا جائے گا۔

## 2۔ صحابہ و تابعین کا دینی مزاج اور رویے

یہ باب دینی علم و عمل میں صحابہ و تابعین کے مجموعی مزاج اور رویوں کی شرح و وضاحت کے لیے خاص ہے۔ دینی علم اور عمل کے ساتھ جو مختلف نوعیت کے فتنے اور غیر متوازن رویے وابستہ ہو سکتے ہیں اور جن کا ظہور خود عہد صحابہ میں ہوا، ان کے حوالے سے صحابہ و تابعین کے آثار سے ملنے والی قیمتی رہنمائی کو اس باب میں تفصیلاً موضوع بنایا جائے گا۔ اہم ترین دینی و اعتقادی مباحث کے حوالے سے پیدا ہونے والے اختلافات کے حوالے سے اکابر صحابہ و تابعین کے نقطۂ نظر کا مطالعہ بھی اسی باب کا حصہ ہو گا۔

## 3۔ صحابہ و تابعین کا فہم قرآن

قرآن مجید کے فہم اور اس کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے صحابہ و تابعین کے اصولی رجحانات کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی آیات کی شرح و تفسیر میں صحابہ و تابعین سے مروی اہم ترین آثار کا مطالعہ اس باب کا موضوع ہو گا۔

## 4۔ صحابہ و تابعین کا فہم حدیث و سنت

اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت اور تحقیق و تنقید کے حوالے سے اکابر صحابہ و تابعین کے رجحانات کا مطالعہ کیا جائے گا۔ نیز احادیث کے فہم اور تعبیر سے متعلق فقہاے صحابہ و تابعین کے علمی رجحانات اور مختلف احادیث کی تفہیم و تشریح کے ضمن میں ان کی آرا کی شرح و وضاحت کی جائے گی۔

## 5۔ صحابہ و تابعین کے استنباطات و اجتہادات

یہ حجم کے اعتبار سے اس مجموعے کا سب سے بڑا باب ہو گا اور اس کے تحت فقہی و اجتہادی امور سے متعلق صحابہ و تابعین کی آرا و استنباطات اور ان کے ماخذ و استدلال کی وضاحت کی جائے گی۔

اسلامی تاریخ میں جن فقہی مذاہب کو امت میں قبول عام حاصل ہوا، وہ بنیادی طور پر

فقہاے صحابہ و تابعین کی آرا اور فتاویٰ کی توضیح و تفصیل اور ان پر تفریع سے ہی عبارت ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کی نسبت سیدنا عمر کی فقہ کے ساتھ وہی ہے جو مجتہد منتسب کو مجتہد مطلق کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ چاروں فقہی مذاہب درحقیقت سیدنا عمر ہی کی آرا اور اجتہادات کی تفصیل پر مبنی ہیں۔[2] تاہم اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ مدون فقہی مذاہب صحابہ و تابعین کے علم و تحقیق کو پوری طرح اپنے اندر سمونے اور اس کی وسعتوں اور تنوعات کی عکاسی کرنے کے بجاے بنیادی طور پر فقہا کے ترجیح و انتخاب کی نمایندگی کرتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ و تابعین کے آثار میں ہمیں بہت سی ایسی آرا ملتی ہیں جنھیں صدر اول کے ممتاز اہل علم نے کسی فقہی سوال کے ممکنہ حل کے طور پر بیان کیا، لیکن معروف فقہی مذاہب میں سے کسی کے ہاں ان آرا کو پذیرائی نہیں ملی۔

مثال کے طور پر سیدنا عمر بعض آثار کے مطابق غیر مسلم کو زکوٰۃ دینے کے جواز کے قائل تھے۔[3] ان کے نزدیک مرتد ہونے والے شخص کو ہر حال میں قتل کر دینا ضروری نہیں تھا اور وہ اس کے لیے قید وغیرہ کی متبادل سزا کا امکان تسلیم کرتے تھے۔[4] ان کی راے یہ تھی کہ اگر کسی یہودی یا نصرانی کی بیوی مسلمان ہو جائے اور خاوند اپنے مذہب پر قائم رہے تو دونوں میں تفریق ہر حال میں ضروری نہیں اور سابقہ نکاح کے برقرار رکھے جانے کی گنجایش موجود ہے۔[5] یہ اور ان کے علاوہ بہت سی آرا ایسی ہیں جنھیں معروف فقہی مذاہب میں کوئی نمایندگی میسر نہیں آ سکی۔ یوں ذخیرۂ آثار کے براہ راست مطالعہ کی مستقل اہمیت اور افادیت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔ اس مطالعہ سے نہ صرف صحابہ و تابعین کے فہم دین میں پائی جانے والی بصیرت اور وسعت کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں، بلکہ دور جدید کے بہت سے ایسے مسائل و مشکلات کے حل میں بھی ان سے مدد مل سکتی ہے، جن کا حل بسا اوقات معروف فقہی مذاہب میں نہیں ملتا۔

---

[2]۔ ازالۃ الخفاء 2/85۔

[3]۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم 10406۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، رقم 136۔

[4]۔ مصنف عبد الرزاق، رقم 18696۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، رقم 16665۔

[5]۔ مصنف عبد الرزاق، رقم 10081، 10083۔

# توضیح منہج

''تفہیم الآثار'' میں درج ذیل منہج کے مطابق آثار کی ترتیب و تدوین اور شرح و وضاحت کی جائے گی:

1۔ آثار کو موضوعاتی اعتبار سے اس طرح مرتب کیا جائے گا کہ عہد صحابہ و تابعین میں دینی و علمی مباحث کا ایک منظر نامہ سامنے آ جائے۔ ابواب اور فصول کی ابتدا میں جامع تمہیدات بھی رقم کی جائیں گی، جن سے ابواب و فصول میں شامل موضوعات کا باہمی ربط اور مرکزی عنوان کے ساتھ ان کی معنوی مناسبت واضح ہو جائے۔

2۔ آثار کا انتخاب ترجیحاً حدیث کے معروف مآخذ، یعنی صحاح، سنن، مسانید اور معاجم سے اور پھر آثار کے معروف مجموعوں، مثلاً مصنف عبد الرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ سے کیا جائے گا، تاہم آثار کی معنوی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے انتخاب میں دیگر دستیاب مآخذ سے بھی بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔

3۔ معروف و متداول مآخذ سے ان آثار کی ضروری تخریج کی جائے گی اور مختلف طرق میں موجود لفظی اختلافات کے علاوہ متن میں نقص و اضافہ کے پہلوؤں کو بھی واضح کیا جائے گا۔

4۔ عربی متن میں قابل توضیح جملوں اور ترکیبات کی لغوی تشریح کی جائے گی۔

5۔ ترجمہ کو اصل متن کے قریب تر رکھتے ہوئے سلیس اور بامحاورہ رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ نیز متن میں اختصار یا غموض کے مقامات پر بریکٹ میں مختصر توضیح کر دی جائے گی۔

6۔ تشریح طلب مقامات پر حسب ضرورت مختصر یا متوسط حجم کی تعلیقات اس طرح لکھی جائیں گی کہ آثار میں موجود فقہ و استنباط کے پہلوؤں کی وضاحت اور علمی و معنوی مشکلات کی تنقیح ہو سکے۔ اس سلسلے میں شروح حدیث سمیت تمام دستیاب علمی مآخذ سے استفادہ کیا جائے گا۔

# البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## سورۃ البقرۃ

(12)

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

---

لو گو، (اپنے اِنھی پیشواؤں کے پیدا کیے ہوئے توہمات کے تحت تم نے جو حلال و حرام ٹھیرائے ہیں، اُن کی کوئی حقیقت نہیں، اِس لیے) زمین کی چیزوں میں سے جو حلال و طیب ہیں، اُنھیں کھاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو۔ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو یہی کرے گا کہ تمھیں برائی اور بے حیائی کی ترغیب دے اور اِس کی ترغیب دے کہ تم وہ باتیں اللہ کے نام لگاؤ جو تم نہیں جانتے۔ 168-169

اور جب اِنھیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنی اِن باتوں کو چھوڑ کر) اُس چیز کی پیروی کرو جو اللہ

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

---

نے اتاری ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں، بلکہ ہم تو اُسی راہ پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے پایا ہے۔ کیا اُس صورت میں بھی کہ اگر اِن کے باپ دادوں نے نہ اپنی عقل سے کچھ کام لیا ہو اور نہ راہِ ہدایت پائی ہو؟ 170

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جنھوں نے (اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنے سے اِس طرح) انکار کر دیا ہے، اِن کی تمثیل ایسی ہے، جیسے کوئی شخص اُن چیزوں کو پکارے جو پکارنے اور چلانے کے سوا کچھ نہ سنتی ہوں۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، اِس لیے یہ کچھ نہیں سمجھتے۔ 171

ایمان والو، (یہ اگر اپنی اِن بدعتوں کو نہیں چھوڑتے تو اِنھیں اِن کے حال پر چھوڑو، اور) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمھیں عطا فرمائی ہیں، اُنھیں (بغیر کسی تردد کے) کھاؤ اور اللہ ہی کے شکر گزار بنو، اگر تم اُسی کی پرستش کرنے والے ہو۔ اُس نے تو تمھارے لیے صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام ٹھیرایا ہے۔ اِس پر بھی جو مجبور ہو جائے، اِس طرح کہ نہ چاہنے والا ہو، نہ حد سے بڑھنے والا تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ، یقیناً بخشنے والا ہے، وہ سراسر رحمت ہے۔ 172-173

(یہ اہل کتاب تو جانتے تھے کہ یہی حق ہے، لیکن اِنھوں نے اِسے چھپایا)۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اُس قانون کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اتارا ہے اور اُس کے بدلے میں (دنیا کی) بہت تھوڑی قیمت قبول کر لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں صرف دوزخ کی آگ بھرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ نہ اُن سے بات کرے گا، نہ اُنھیں پاکیزہ بنائے گا اور اُن کے لیے وہاں ایک دردناک عذاب مقرر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٧٦﴾

یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گم راہی اور مغفرت کے بدلے عذاب خرید اہے۔ سو یہ کتنے جری ہیں دوزخ کو برداشت کر لینے کے معاملے میں!174-175

یہ اِس لیے ہو گا کہ اللہ نے اپنی یہ کتاب قولِ فیصل کے ساتھ اتاری ہے، مگر یہ لوگ جنھوں نے اِس کتاب کے معاملے میں اختلاف کیا ہے، یہ اپنی مخالفت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔176

[باقی]

ترجمہ و تحقیق: جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس

## — 1 —

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہو گا، اُن کی صورتیں ایسی روشن ہوں گی، جیسے چودھویں کا چاند روشن ہوتا ہے، پھر اُن کے بعد جو لوگ داخل ہوں گے، وہ آسمان کے سب سے زیادہ روشن ستارے کی طرح چمکتے ہوں گے۔ وہ نہ تھوکیں گے، نہ اُن کی ناک سے رطوبت نکلے گی اور نہ بول و براز کی ضرورت لاحق ہو گی۔ اُن کے برتن سونے کے ہوں گے، یہاں تک کہ کنگھے بھی سونے چاندی کے ہوں گے۔ اُن کی انگیٹھیوں میں نہایت پاکیزہ اور خوشبودار عود سلگتا ہو گا اور اُن کا پسینہ مشک کی طرح ہو گا۔ اُن میں سے ہر ایک کی دو، دو بیویاں ہوں گی، آہو چشم گوریوں میں سے، جن کی پنڈلیوں کا گودا اُن کے حُسن کی وجہ سے گوشت کے اوپر ایسا دکھائی دے گا، جیسے سفید پیمانے میں سرخ شراب دکھائی دے۔ جنت میں کوئی بھی کنوارا نہ ہو گا۔ اُن کا آپس میں کوئی اختلاف نہ ہو گا اور نہ بغض و عناد، اُن کے دل بالکل ایک ہوں گے۔ وہ صبح و شام وہاں اللہ کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہیں گے۔ (صحیح بخاری، رقم 3024)

## — 2 —

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ایک صبح یا ایک شام کا سفر، دنیا اور اُس کی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔ جنت میں تمھارے کسی شخص کی ایک کمان کے برابر یا ایک قدم جتنے فاصلے کی جگہ، دنیا اور اُس کی ہر چیز سے

بڑھ کر ہے۔ جنت کی عورتوں میں سے کوئی عورت اگر روے زمین کی طرف جھانک کر دیکھ لے تو آسمان سے لے کر زمین تک، ہر چیز کو روشن کر دے اور ہر چیز کو خوشبو سے بھر دے۔ اُس کی تو اوڑھنی تک دنیا اور جو کچھ اُس میں ہے، اُس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ (صحیح بخاری، رقم 6111)

## — 3 —

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف دیتی ہے تو آہو چشم گوریوں میں سے اُس کی بیوی کہتی ہے: اللہ تجھے ہلاک کرے، اِس کو تکلیف نہ دے، یہ تو تیرے پاس مہمان ہے، قریب ہے کہ یہ تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آجائے گا۔ (مسند احمد، رقم 21528)

**مقامات**

جاوید احمد غامدی

# امین احسن

(2)

دین کی دعوت وہ ہمیشہ اِسی اذعان اور ایمان کی اِسی حرارت کے ساتھ دیتے تھے۔ اِس باب میں ایک لطیفہ بھی ہوا۔ 1951ء کے انتخابات میں ''جماعت اسلامی'' نے اُنھیں الیکشن لڑنے کے لیے کھڑا کر دیا۔ وہ بتاتے تھے کہ میں نے بہت کہا کہ اِس کام کے لیے مجھ سے زیادہ ناموزوں آدمی کسی ماں نے نہیں جنا، لیکن ''امیر المومنین'' نہیں مانے۔ طوعاً و کرہاً میں راضی ہوا تو ایک دن مجھ سے کہا گیا: حلقہ میں تقریر بھی کرنا ہو گی۔ میں گیا تو اپنی تقریر کی ابتدا میں نے یہاں سے کی کہ خواتین و حضرات، مجھ پر خدا کی اور اُس کے فرشتوں اور اہل ایمان، سب کی لعنت ہو اگر میں آپ سے ووٹ مانگنے کے لیے آیا ہوں۔ میں تو آپ کو یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ ووٹر کی حیثیت سے آپ کے فرائض کیا ہیں۔ اِس کے بعد، ظاہر ہے کہ وہ مجھے اِس الیکشن میں کسی تقریر کے لیے بلانے کی حماقت نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کی زندگی کا ایک بڑا حصہ اِسی جماعت میں گزرا۔ وہ برسوں اِس کی دعوت کے نقیب رہے۔ اِس پس منظر میں یہ سوال فطری طور پر پیدا ہوتا ہے کہ جماعت جس فکر پر قائم ہے، زندگی کے اِس آخری دور میں اُس کے متعلق اُن کا نقطۂ نظر کیا تھا؟ میں نے

جو کچھ اُن سے سنا اور جو کچھ سمجھا ہے، اُس کی بنیاد پر میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ اب نہ وہ اقامت دین کے اُس مفہوم کے قائل تھے جو جماعت اِس سے مراد لیتی ہے، نہ اظہار دین کے وہ معنی اُن کے نزدیک درست تھے جو مولانا مودودی نے بیان کیے ہیں، نہ ”جماعت اسلامی“ قسم کی جماعتیں بنانے کو وہ صحیح سمجھتے تھے، نہ حکومت کے بغیر جہاد اور امارت اور بیعت سمع وطاعت جیسی لغویات کے لیے اُن کے فکر میں کوئی گنجایش تھی، نہ اقتدار کی سیاست کو وہ علما کے لیے موزوں خیال کرتے تھے۔ اُن کی پختہ رائے اب یہی تھی کہ علما کی ہر جدوجہد کا ہدف صرف ذہنی اور فکری انقلاب ہونا چاہیے۔ عالم جب تک عالم ہے اور عالم رہنا چاہتا ہے، اِس سے آگے اُسے ہرگز کوئی اقدام نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سب باتیں اِس آخری زمانے میں اُن کی تقریروں، تحریروں اور گفتگوؤں میں بڑی صراحت کے ساتھ کہی گئی ہیں۔ اِن میں سے ایک ایک چیز کے بارے میں خود اُن کے الفاظ کی شہادت پیش کی جاسکتی ہے۔ امین احسن کی اقلیم فکر کیا ہے؟ جن لوگوں نے بھی اِس کی سیر کے لیے کچھ فرصت پائی ہے، وہ جانتے ہیں کہ مذہبیات کی دنیا میں یہ ایک بالکل نئی اقلیم ہے۔ اِس میں ساری حکومت، سارا اقتدار قرآن کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کی زبان سے جو لفظ بھی نکلتا ہے، قانون بن جاتا ہے۔ ہر جگہ اُس نے ایک میزان نصب کر رکھی ہے۔ بو حنیفہ و شافعی، بخاری و مسلم، اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی، سب اپنی اپنی چیزیں لاتے اور اِس میزان میں تولتے ہیں۔ پھر جس کی کوئی چیز ذرا بھی وزن میں کم ہو، اِس اقلیم میں وہ اُسے کہیں بیچ نہیں سکتا۔ علم و دانش، فلسفہ و حکمت، سب قرآن کے حضور میں دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ اُس کا ہر لفظ ایک شہر عجائب ہے اور یہ عجائب کبھی ختم نہیں ہوتے۔ وہ پہلے محکم بولتا اور پھر اُس کی تفصیل کر دیتا ہے۔ اُس کی باتوں کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش آجائے تو خود اُسی کی دوسری باتیں وضاحت کر دیتی ہیں۔ اُس کا ایک ایوان خاص ہے جس کے بام و در پر ہر جگہ جلی حرفوں میں لکھا ہوا ہے کہ جو ہماری باتوں میں نظم و ترتیب کو نہیں مانتا، وہ ہمارے اِس ایوان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ امین احسن کی ساری زندگی اِسی اقلیم میں بسر ہوئی ہے:

اُس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اُس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

تاہم ”پیران طریق“ میں بھی کبھی کوئی محرم مل ہی جاتا تھا۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

لاہور آئے تو امین احسن نے اُنھیں بتایا: میری اہلیہ کہتی ہیں کہ تمھاری کتابیں تو میری سمجھ میں نہیں آتیں، لیکن مولانا نعمانی کی کتابیں میں خوب سمجھ لیتی ہوں۔ مولانا نعمانی نے فوراً کہا: مولانا، ہم اُن کے لیے لکھتے ہیں اور آپ ہمارے لیے لکھتے ہیں۔ ''تدبر قرآن'' مکمل ہوئی تو مولانا نعمانی نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ وہ امین احسن کے ہاں آئے ہیں، وہاں مزعفر کی ایک دیگ پکی ہوئی ہے جس سے خوش بو کی لپٹیں آ رہی ہیں۔ مولانا نعمانی نے لکھا کہ وہ اِسے ''تدبر قرآن'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امین احسن کو اللہ تعالیٰ نے خوب صورت سراپا دیا تھا، خوش ذوق اور خوش لباس بھی تھے، لیکن اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے میں ہمیشہ بہت سادہ رہے۔ اُن کے ایک پرانے ساتھی نے بتایا کہ ''جماعت'' کی طرف سے اُنھیں میانوالی بھیجا گیا۔ میں اُن کا رفیق سفر تھا۔ ہم بس کے ذریعے سے جا رہے تھے۔ سرگودھا کے اڈے پر بس رکی تو اُنھوں نے مجھ سے کہا: گھی سمجھ کر تیل کھانے سے بہتر ہے کہ تیل سمجھ کر تیل ہی کھایا جائے، جاؤ ایک نان اور کچھ پکوڑے لے آؤ۔

وہ فرشتہ نہیں، انسان ہی تھے اور اُن میں کچھ کمزوریاں بھی تھیں، لیکن معیار زندگی بڑھانے کا کوئی فتنہ کبھی اُن کے قریب سے نہیں گزرا۔ اللہ تعالیٰ سے تفویض و توکل کا ایسا تعلق تھا کہ اُس پر رشک آتا تھا۔ زبان اکثر ذکر الٰہی سے تر رہتی۔ مولانا عبدالرحیم اشرف سفر حج میں اُن کے ساتھ تھے، اُنھوں نے ایک مرتبہ بتایا کہ وہاں پہنچ کر اُن کی ساری دل چسپی صرف بیت اللہ کے ساتھ تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی ہر چیز سے بالکل بے تعلق ہو گئے ہیں۔ زندگی کے سرد و گرم میں ہمیشہ اپنے پروردگار کی رضا پر مطمئن رہے۔ حادثۂ قاہرہ میں ابو صالح جیسے فرزند کی وفات پر ''میثاق'' میں جو کچھ لکھا ہے، اُس سے اُن کے جذبات کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، لیکن اِس موقع پر جزع فزع کا کوئی کلمہ اُن کی زبان سے نہیں نکلا۔ آخری دو سال اُنھوں نے جس معذوری اور بے بسی کی حالت میں بستر پر گزارے ہیں، اُس کی تکلیف جھیلنا آسان نہ تھا، لیکن اِس میں بھی اگر کچھ کہا تو یہی کہا کہ آخرت کی تکلیف نہ ہو تو دنیا کی کوئی تکلیف بھی تکلیف نہیں ہے۔ طبیعت میں بڑی غیرت، بڑا وقار، بڑی تمکنت اور بڑی بے نیازی تھی۔ ایوب خان صاحب نے پوچھا: مولانا، کوئی خدمت بتائیے۔ اُن کا جواب تھا: آپ سے جو کچھ کہنا ہوتا ہے، ''میثاق'' کے اداریوں میں کہہ دیتا ہوں، اُس پر عمل کیجیے، یہی سب سے بڑی خدمت ہے۔ بھٹو صاحب نے پیغام بھیجا کہ حکومت آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے۔ جواب دیا: میں حکومت کے وظیفہ خواروں کو ہمیشہ ملت فروش

کہتا رہا ہوں۔ کیا اب خود بھی یہی کام کروں گا؟ ضیاء الحق صاحب کی طرف سے سلسلہ جنبانی ہوئی، لیکن اگر کچھ کہا تو صرف یہی کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے، اُسے اپنی لائبریریوں تک پہنچایئے، یہی کافی ہے۔ اُن کی ہر ادا میں یہ صدا تھی:

مگذر از نغمۂ شو قم کہ بیابی دروے
رمز درویشی و سرمایۂ شاہنشاہی

دوستوں کے لیے، البتہ طبیعت میں بڑی تواضع اور بڑی شفقت تھی۔ جن دنوں رحمٰن آباد میں تھے، میں ایک مرتبہ ملنے کے لیے گیا تو رات وہیں ٹھیرا۔ فجر سے کچھ پہلے میں نے محسوس کیا کہ ذرا دور کوئی ہاتھ کے نل سے پانی کی بالٹی بھرتا اور پھر اُسے انڈیل دیتا ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ امین احسن ہوں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میری چارپائی کے پاس آئے اور فرمایا: میں نے تازہ پانی نکال دیا ہے، اٹھیے اور وضو کر لیجیے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہوں اور کیا کروں۔

وہ اتنے سچے، اتنے بے لاگ اور اتنے دوٹوک تھے کہ مصلحت اندیشی کے پیمانے سے اُسے خطرناک سمجھا جائے گا۔ جو کچھ کہنا چاہتے، بغیر کسی تردد کے کہہ دیتے۔ اپنے رفقا میں فکر و عمل کا کوئی تضاد کسی حال میں برداشت نہ کرتے۔ اُن کی محبت بے پناہ تھی، مگر اخلاص کی گہرائی سے جس طرح یہ محبت چشمہ بن کر پھوٹتی تھی، اِسی طرح رنج بھی ابل پڑتا تھا۔ تاہم دیکھنے والے دیکھتے کہ اِس میں کسی بغض، کسی کینے اور کسی دشمنی کا کوئی شائبہ نہ ہوتا۔ گویا وہی معاملہ تھا کہ:

قہر بھی اُس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق

اُن کی باتیں کہاں تک لکھوں؟ آج اُن کا مرقع کھینچ رہا ہوں تو اپنے عجز بیان کو دیکھ کر بار بار خیال ہوتا ہے کہ امین احسن سے کم و بیش پچیس سال تک ملاقات اور تلمذ کا جو شرف مجھے حاصل رہا ہے، اے کاش، کسی ایسے شخص کو بھی حاصل ہوتا جسے زبان و بیان پر امین احسن ہی کی طرح قدرت ہوتی۔ یہ زمانے کی بدقسمتی ہے کہ اِس نابغۂ روزگار کو جاننے کے لیے اُسے مجھ جیسا شکستہ قلم ہی میسر ہو سکا جس کا حال یہ ہے کہ:

در زباں حرف نماندہ ست و سخنہا ماندہ ست

وہ صرف دین ہی کے عالم نہ تھے، دستور و قانون اور سیاست دوراں کے مسائل پر بھی اُن کی

نظر اتنی گہری تھی کہ اِن کے ماہرین اُن کی صحبت میں بیٹھ کر بہت کچھ سیکھ سکتے تھے۔ اِن چیزوں کو دیکھنے کا اُن کا اپنا ایک انداز تھا جو اہل زمانہ سے بہت کچھ مختلف تھا۔ بھٹو صاحب کو پھانسی کی سزا ہوئی تو مذہبی حلقوں میں بالعموم اطمینان کا اظہار کیا گیا۔ اِس سے اگلے روز میں رحمٰن آباد حاضر ہوا تو امین احسن کو افسردہ دیکھا۔ میں نے پوچھا تو کچھ دیر کے لیے خاموش رہے، پھر فرمایا: مجھے بھٹو صاحب سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے، لیکن جن احمقوں نے ایک قومی رہنما کو ختم کر دینے کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے، وہ نہیں جانتے کہ اِس طرح اُنھوں نے اِس ملک کی سیاست میں ایک مستقل عناد کی بنیاد رکھ دی ہے۔ افغانستان میں جو کچھ ہوا، اُس کے مضمرات اُنھوں نے جس طرح ابتدا ہی میں سمجھ لیے تھے، اُسے آج لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ الجزائر، ترکی اور مصر و شام میں اسلامی تحریکوں کے معاملات کو وہ جس نظر سے دیکھتے تھے، ہمارے مذہبی رہنما شاید اُس وقت دیکھیں گے، جب بہت کچھ ڈوب چکا ہو گا۔ جماعت اسلامی سے اُن کی علیحدگی جس موقف کی بنیاد پر ہوئی، وہ اب اپنی صحت کے لیے کسی بحث و استدلال کا محتاج نہیں رہا۔ اِس کی اصابت خود اُن لوگوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دی ہے جو اِس وقت مولانا مودودی کے مشیروں میں اُن کے سب سے بڑے مخالف تھے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سن لیا ہے کہ اپنے امیر سے وہ آج وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو آج سے برسوں پہلے امین احسن نے اُن کے ”امیر المومنین“ سے کہا تھا۔

وہ ایک زندہ انسان تھے اور زندگی کے مسائل کو ایک زندہ اور بیدار انسان جس طرح دیکھتا ہے، اُسی طرح دیکھتے تھے۔ علم و عمل کے جس مرتبے پر وہ فائز تھے، وہاں کھیل تماشے کا کیا گزر؟ لیکن ملک سے اُن کی محبت کا یہ عالم تھا کہ پاکستان اور بھارت اگر کبھی میدان میں اترتے تو بار بار پوچھتے اور اُس وقت تک مطمئن نہ ہوتے، جب تک پاکستان کی فتح کا یقین نہ ہو جاتا۔ غالب، اقبال اور شبلی کے بڑے مداح تھے۔ اُن کے اشعار اکثر پڑھتے۔ طبیعت میں شگفتگی تھی، اپنی بیماری کا ذکر بھی کرتے تو لب و لہجہ ایسا ہوتا کہ چہروں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔ مذہبی حماقتوں پر اُن کی خاص نظر رہتی تھی، یہ ذکر چھڑ جاتا تو اُن کی گل افشانی گفتار کا عالم دیکھنے کی چیز ہوتا۔ لفظ لفظ میں تلمیح و تعریض سے وہ مضمون پیدا کرتے کہ سننے والا صاحب ذوق ہوتا تو اش اش کر اٹھتا۔ اُن کے پرانے دوستوں میں سے ایک مذہبی رہنما سے اِسی طرح کی بعض باتیں سرزد ہوئیں تو اُن پر

تبصرے کے لیے ایسے خوب صورت اسالیب ایجاد کیے کہ خوف فساد خلق نہ ہوتا تو میں سناتا اور لوگ دیکھتے کہ امین احسن کو قدرت نے لفظ و معنی کو رشتہ بپا کرنے کی کیا صلاحیت بخشی تھی اور کس کمال سے نوازا تھا۔ وہ دنیا سے کیا گئے، حقیقت یہ ہے کہ:

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

حالی غالب کے شاگرد تھے۔ اُن کے مرثیے کا اختتام اُنھوں نے جن شعروں پر کیا ہے، اُنھیں لوگوں نے اُس زمانے میں حالی کے حسن عقیدت پر محمول کیا ہو گا۔ لیکن وقت نے ثابت کر دیا کہ غالب وہی تھا، جسے حالی کی آنکھوں نے دیکھا۔ میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا ہے، لیکن امین احسن اور اُن کے استاذ حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ:

غالب نکتہ داں سے کیا نسبت!
خاک کو آسماں سے کیا نسبت!

[1997ء]

سید منظور الحسن

# شق القمر

## غامدی صاحب کا موقف

[محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے سے لیا گیا]

(13)

### شق قمر کے واقعے کا مقصد

قرآن سے یہ بھی واضح ہے کہ شق قمر کی نشانی کفارِ قریش کے لیے تھی اور اِس کا مقصد اُنھیں 'الساعة'، یعنی قیامت کی گھڑی کے بارے میں متنبہ کرنا تھا۔ رسول کے مکذبین کے لیے قیامت کی یہ گھڑی اُس عذاب سے شروع ہوتی ہے جو اُس کی تکذیب پر اصرار کے نتیجے میں دنیا ہی میں برپا ہو جاتا ہے اور اِس گھڑی کا اتمام اُس وقت ہو گا، جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت واقع ہو جائے گی۔

اِس عذاب کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے انبیا کی دعوت کو سمجھنا ضروری ہے۔ اِس کی تفصیل اِس طرح ہے کہ اللہ کے نبی دعوت الی اللہ اور قیامت کے انذار و بشارت کے لیے دنیا میں آتے ہیں۔ یعنی وہ اپنے مخاطبین کو اللہ پروردگارِ عالم کی طرف بلاتے ہیں اور ماننے والوں کو قیامت میں

اچھے انجام کی خوش خبری سناتے ہیں اور نہ ماننے والوں کو برے انجام سے خبر دار کرتے ہیں۔ یہ نبیوں کا منصبی فریضہ ہے۔ اُن کے اِس فریضے کو قرآن نے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ.... (البقرہ2:213)

”لوگ ایک ہی امت تھے۔ پھر (اُن میں اختلاف پیدا ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے، بشارت دیتے اور انذار کرتے ہوئے...۔“

نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ حکم اِن لفظوں میں آیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا. وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا. (الاحزاب33:45-46)

”اے نبی، (تم بھی بے پروا ہو جاؤ)، ہم نے تمھیں گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور اللہ کے اذن سے اُس کی طرف دعوت دینے والا اور (لوگوں کو تاریکیوں سے نکالنے کے لیے) ایک روشن چراغ۔“

اِن نبیوں میں سے بعض ہستیوں کو اللہ ”نبوت“ کے ساتھ ”رسالت“ کے منصب پر بھی فائز کرتے ہیں۔ اِس سے مراد یہ ہے کہ نبی اپنے مخاطبین پر حق کو آخری درجے میں واضح کر کے اُن پر اللہ کی حجت تمام کر دے۔ آسمان کی عدالت زمین پر لگ جائے اور جھٹلانے والوں کے اخروی اور حتمی انجام کو اِسی دنیا میں طے اور عملاً نافذ کر دیا جائے۔ گویا رسول کے مکذبین کے لیے ایک قیامتِ صغریٰ برپا ہو اور اُن کی جنت اور جہنم کا فیصلہ اِسی زندگی میں ہو جائے۔ قرآن میں اِن رسولوں کی جو سرگذشتیں بیان ہوئی ہیں، اُن سے واضح ہے کہ حضرت نوح، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت ہود، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ علیہم السلام کے منکرین کے ساتھ یہی معاملہ ہوا۔ وہ آفاتِ سماوی کے ذریعے سے نیست و نابود کیے گئے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مکذبین کو بھی اِسی قانون کے تحت آپ کے صحابہ کی تلواروں کے ذریعے سے ہلاک کیا گیا۔

اِس تناظر میں دیکھیے، سورہ کے آغاز میں فرمایا ہے کہ قریش کے منکرین کے لیے ’الساعۃ‘، یعنی عذاب کی گھڑی قریب آ گئی، جس کے بارے میں اللہ کا رسول اُنھیں متنبہ کر رہا تھا اور اِس کی

نشانی کے طور پر اللہ نے چاند کو شق کر کے دکھا دیا ہے۔ اِس تمہید کے بعد انبیاے سابق کی سرگذشتوں کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ اُن کے مخاطبین نے بھی اُنھیں جھٹلایا تھا تو اللہ نے اُنھیں نیست و نابود کر دیا۔ چنانچہ قوم نوح نے جھٹلایا تو اُسے پانی میں غرق کر دیا، عاد نے جھٹلایا تو اُنھیں بادِ تند سے ہلاک کر دیا اور اُن کی لاشیں کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح ہو گئیں، جو ہوا کے زور سے ادھر ادھر لڑھک رہے تھے، ثمود نے جھٹلایا تو اللہ نے اُن کے لیے اونٹنی کو نشانی بنا دیا اور جب اُنھوں نے اُس کی کونچیں کاٹ دیں تو اللہ نے اُنھیں ہول ناک کڑک اور ہیبت ناک چیخ سے ہلاک کر دیا اور اُن کی آبادیوں کو بالکل پامال کر ڈالا، قوم لوط نے تکذیب کی تو اُنھیں پتھر برسانے والی ہوا سے تباہ و برباد کر دیا، قوم فرعون نے جھٹلایا تو اُسے بھی زبردست قوت سے دبوچ کر فنا کر ڈالا۔ اِن تاریخی شہادتوں کو پیش کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اگر اِن قوموں کے جھٹلانے کا نتیجہ عذاب کی صورت میں نکلا ہے تو تمھارے جھٹلانے کا نتیجہ مختلف کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر تم کچھ دیر اور اِسی روش پر قائم رہے تو سمجھ لو تمھارے عذاب کا وقت بھی قریب آ لگا ہے۔ شق قمر کا غیر معمولی واقعہ اِسی کی ایک نشانی ہے۔ یہ اِس حقیقت کا پتا دیتی ہے کہ جو قادرِ مطلق چاند جیسے عظیم کرّے کو دو ٹکڑے کر کے پھر جوڑ سکتا ہے، اُس کے لیے تمھارے جوڑ بند الگ کر کے دوبارہ جوڑنا چنداں مشکل نہیں ہے۔ چنانچہ آگاہ رہو کہ تمھاری قیامتِ صغریٰ کی ساعت بھی قریب ہے اور اُسی کے تسلسل میں قیامت کبریٰ کی ساعت بھی زیادہ دور نہیں ہے۔ سورہ کے آخری حصے میں ارشاد فرمایا ہے:

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ. اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ. سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ.

(القمر 54: 43-46)

”(قریش کے لوگو، پھر) تمھارے یہ منکرین کیا اُن سے کچھ بہتر ہیں یا صحیفوں میں تمھارے لیے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے؟ کیا اِن کا زعم ہے کہ ہم ایسا جتھا ہیں، جو مقابلہ کر لے گا؟ (سن لو)، اِن کا یہ جتھا عنقریب شکست کھا جائے گا اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے ہوں گے۔ نہیں، بلکہ اِن سے جو وعدہ ہے، اُس کے پورا ہونے کا

اصل وقت تو قیامت کا دن ہے اور
قیامت کا دن (اِن منکروں کے لیے) بڑا
سخت اور بڑا ہی تلخ ہو گا۔''

امام امین احسن اصلاحی نے سورہ کے آغاز اور اختتام میں لفظ 'اَلسَّاعَۃُ' کی جس طرح وضاحت کی ہے، اُس سے شق قمر کا مقصد پوری طرح واضح ہو گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اَلسَّاعَۃُ' سے مراد فیصلہ اور عذاب کی گھڑی ہے۔... یہ بات ہم جگہ جگہ واضح کرتے آ رہے ہیں کہ اللہ کے رسولوں نے اپنی قوموں کو دو عذابوں سے ڈرایا ہے۔ ایک تو اُس عذاب سے جو اِس دنیا میں لازماً قوم پر آ کے رہتا ہے، اگر وہ رسول کے انذار کو خاطر میں نہیں لاتی، بلکہ اُس کی تکذیب پر اڑ جاتی ہے۔ دوسرے اُس عذاب سے جو آخرت میں پیش آئے گا۔ اِن دونوں عذابوں میں فرق صرف آغاز و تکمیل یا تمہید اور خاتمہ کا ہے۔ رسول کی تکذیب کے عذاب میں جو قوم پکڑی جاتی ہے، وہ درحقیقت آخرت کے عذاب ہی کے لیے پکڑی جاتی ہے، اِس وجہ سے لفظ 'اَلسَّاعَۃُ' بسا اوقات ان دونوں ہی عذابوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اِس پہلو سے غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ ہر قوم جس کے اندر رسول آ گیا، اُس کے فیصلہ کی گھڑی سر پر آ گئی۔ گویا 'اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ' کا اسلوب بیانِ مبالغہ کا اسلوب نہیں، بلکہ یک سر بیانِ حقیقت ہے۔

'وَانْشَقَّ الْقَمَرُ'۔ یہ علامت بیان ہوئی ہے عذاب کی گھڑی کے قریب آنے کی۔ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت کا حوالہ ہم اِس کتاب میں جگہ جگہ دے چکے ہیں کہ یوں تو اِس زمین و آسمان کے چپہ چپہ پر اِس کی قدرت و حکمت کی نشانیاں موجود ہیں اور آئے دن نئی نئی نشانیاں بھی ظاہر ہوتی رہتی ہیں، لیکن رسولوں کی بعثت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ خاص طور پر ایسی نشانیاں ظاہر فرماتا ہے، جن سے رسول کے انذار اور اُس کے دعوائے رسالت کی صداقت ظاہر ہوتی ہے...

اِن نشانیوں کا مقصود، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، رسول کے انذار کو تقویت پہنچانا ہوتا ہے۔ رسول جن باتوں کی منادی زبان سے کرتا ہے، اُس کی تائید کے آثار و شواہد اِس کائنات میں بھی، مختلف شکلوں میں، ظاہر ہوتے ہیں تاکہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت اچھی طرح پوری ہو جائے۔ اِسی طرح کی ایک نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انذار کی تائید کے لیے چاند کے پھٹنے کی صورت میں ظاہر ہوئی تاکہ منکرین عذاب و قیامت پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے

کہ قرآن اُن کو جو ڈرا رہا ہے کہ زمین اُس دن ہلا دی جائے گی، پہاڑ پاش پاش ہو کر فضا میں اڑنے لگیں گے، سمندر ابل پڑیں گے، سورج تاریک ہو جائے گا؛ یہ باتیں اُن کو مرعوب کرنے کے لیے نہیں بیان ہوئی ہیں، بلکہ یہ حقائق ہیں، جو ایک دن پیش آ کے رہیں گے اور یہ بعید از امکان بھی نہیں ہیں، اِن کے شواہد کسی نہ کسی شکل میں اِس دنیا میں بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔...

کفارِ قیامت کو جو بہت بعید از عقل چیز خیال کرتے تھے، اِس کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ یہ ساری کائنات ایک دن بالکل درہم برہم ہو جائے۔ پہاڑوں سے متعلق اُن کا جو سوال قرآن میں نقل ہوا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن چیزوں کو وہ بالکل اٹل، غیر متزلزل اور غیر فانی سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شق قمر کی نشانی دکھا کر اُن کو بتایا کہ اِس کائنات کی چیزوں میں سے کوئی چیز بھی، خواہ وہ کتنی ہی عظیم ہو، نہ خود مختار ہے، نہ غیر فانی، نہ غیر متزلزل، بلکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے۔ وہ جب چاہے گا، اُن سب کو درہم برہم کر کے رکھ دے گا۔...

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اوپر والی آیت (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ) میں اُس عذاب و ہزیمت کا ذکر تھا، جس سے رسولوں کے مکذبین کو لازماً اِسی دنیا میں سابقہ پیش آتا ہے۔ اِس آیت (بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ) میں اُس عذاب کا حوالہ ہے، جو اصل روزِ حساب، یعنی قیامت میں اُن کے سامنے آئے گا اور جو بڑا ہی کٹھن ہو گا۔ اِس کتاب میں جگہ جگہ ہم اِس سنت الٰہی کا حوالہ دے چکے ہیں کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والے اِس دنیا میں بھی لازماً شکست کھاتے ہیں اور آخرت تو اُن کی رسوائی کی جگہ ہے ہی۔" (تدبر قرآن 8/ 90-91، 113)

[باقی]

محمد ذکوان ندوی

# قرآن اور مروّجہ مشیخت

["نقد و نظر" کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

شاہ محمد یعقوب مجددی (وفات: 1970ء) بھوپال کے ایک مشہور روحانی بزرگ اور مربی تھے۔ اپنے وقت کے بہت سے مشاہیر اہل علم اُن سے وابستہ رہے ہیں۔ مثلاً مولانا عبد الشکور لکھنوی (وفات: 1962ء)، مولانا محمد منظور نعمانی (وفات: 1997ء)، مولانا عمران خان ندوی ازہری (وفات: 1986ء) اور مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (وفات: 1999ء)، وغیرہ۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے شیخ مجددی کی مجلس سے مستفاد ملفوظات کو "صحبتے با اہل دل" کے نام سے شائع فرمایا ہے۔ مولانا اِس کتاب میں رقم طراز ہیں کہ: میرے دریافت کرنے پر فرمایا:

> "جوانی میں جب میں حیدر آباد میں تھا تو مشائخ کے یہاں تصوف کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔ خاص طور پر فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم کا بڑا دور رہتا تھا۔ اور مثنوی مولانا روم کا تو دن رات ورد تھا، وحدۃ الوجود کے نکتے بیان ہوتے تھے اور توحیدِ وجودی کے بارے میں موشگافیاں ہوتی تھیں، لیکن میری آنکھیں قرآن کی تفسیر اور حدیث کا درس ڈھونڈتی تھیں۔ اور کان اُس

کے سننے کے لیے بیتاب تھے۔ جی چاہتا تھا کہ کم سے کم ایک ہی آیت کی تفسیر اور ایک ہی حدیث کی تشریح ہوتی۔ لیکن اِن مجالس میں اِس کا کوئی ذکر نہ تھا۔ ذوق و شوق، وجد و حال، نعرہ و آہ کی کمی نہ تھی، مگر قرآن و حدیث کا سیدھا سادہ بیان مفقود تھا۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن پیری و مشیخت کو توڑتا ہے اور سب کو بندگی اور انسانیت کی سطح پر اتارتا ہے۔ اور سارے استثناءات و امتیازات کو ختم کر دیتا ہے۔ اِسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کا بدو مجلس نبوی میں آتا ہے تو کسی قسم کے امتیازاتِ مشیخت کا نشان نہ ہونے کی وجہ سے اُس کو پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ میں سے خدا کا رسول کون ہے؟"(48)

اِسی طرح ایک مجلس میں فرمایا:

"قرآن مجید بزرگی اور مشیخت کی نفی کرتا ہے۔ وہ سب کو بندہ اور خدا کا محتاج ثابت کرتا ہے۔ وہ صاف اعلان کرتا ہے: 'یا ایھا النَّاسُ انتم الفقراءُ الی اللّٰہ، واللّٰہُ ھو الغنیُ الحمید' (فاطر 15:35)، "اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کے، اور اللہ ہی ہے، بے نیاز، ستودہ صفات۔" اس لیے خانقاہوں میں قرآن مجید کے بجائے تصوف کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ اِن خانقاہوں میں کسی کو قُدوۃ السالکین، کسی کو زُبدۃ العارفین کا لقب دیا جاتا ہے اور کوئی مرشد کے قدم لیتا ہے۔ وہاں جب شعر پڑھے جاتے ہیں تو ساری مجلس جھوم پڑتی ہے، مگر قرآن پر کسی کو وجد نہیں آتا۔"(152)

خانقاہ کا ادارہ اپنی اصل کے اعتبار سے، ایک تربیت گاہ کی حیثیت رکھتا ہے اور مرشد ایک مربی کی، اور سچے مربی و مرشد اور استاذ کی ضرورت و اہمیت اور اُن کا مقام و احترام بالکل مسلّم ہے۔ تاہم، جیسا کہ ہر ادارہ اِس وقت زوال پذیر ہے، خانقاہ کا ادارہ بھی اِس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہاں بھی اب عام طور پر یا مجاور رہ گئے ہیں یا گورکن۔ شاہ مجددی کے مذکورہ ملفوظات میں اِسی متصوفانہ قسم کی مشیخت پر تنقید کی گئی ہے۔ یہ غیر مطلوب قسم کی احباری اور رہبانی مشیخت بلاشبہ اسلام میں نہ صرف اجنبی ہے، بلکہ اُس میں تاریخ کو اصل دین اللہ (کتاب و سنت) سے مکمل طور پر بے گانہ کر کے ایک خود ساختہ 'تصورِ مذہبیت' میں مبتلا اور روحِ دین و عمل سے دور صرف مستیِ احوال جیسے راستوں پر گام زن کر دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر عرفان شہزاد

# 'جناب جاوید احمد غامدی کا تصورِ نظم'

## ڈاکٹر محمد مشتاق احمد کے تنقیدی مضمون کا جائزہ

ڈاکٹر محمد مشتاق احمد نے غامدی صاحب کے تصور نظم پر ایک تنقیدی مضمون بہ عنوان "جناب جاوید احمد غامدی کا تصور نظم: ایک تنقیدی جائزہ" لکھا ہے، جو تحقیقی جریدے، ایضاح، شمارہ جون 2024ء میں شائع ہوا ہے۔

ڈاکٹر مشتاق صاحب کا یہ مضمون تکنیکی خامی کا حامل ہے، اس لیے ان کا مقدمہ اور اس مرتب پر نقد، دونوں بے محل ہیں۔

غامدی صاحب کا تصور نظم کئی پہلو رکھتا ہے۔ سورتوں کا باہمی نظم ایک پہلو ہے اور جملے کی تالیف اور سیاق و سباق کی مدد سے آیت یا حکم کے مدعا کی تعیین یعنی تاویل واحد تک رسائی ایک دوسرا پہلو۔ اول الذکر علمی اور ادبی لطائف کی نوعیت کی چیز ہے، اس لیے وہاں کبھی قطعیت کا دعویٰ نہیں کیا جاتا، جب کہ آخر الذکر خالصتاً علمی اور لسانیاتی نوعیت کی چیز ہے، جہاں زبان و بیان کے مسلمہ معیارات پر انسانی فہم کی حد میں قطعیت کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے غامدی نظم قرآن کا پہلا پہلو لیا اور تاویل واحد کی تعیین قطعی کے حصول کے موقف پر نقد وارد کر دیا، جو کہ درست نہیں۔

غامدی صاحب کی کتاب "میزان" سے جو اقتباس انھوں نے شروع میں نقل کیا، وہ دو مختلف عبارتیں ہیں، جنھیں یکجا پیش کر دیا گیا ہے۔ ایک عبارت یہ کہتی ہے کہ نظم قرآن سے تاویل واحد

کا حصول ممکن ہوتا ہے اور دوسری یہ بتاتی ہے کہ نظم قرآن ہی کی وجہ سے قرآن سورتوں کی صورت میں ہے، نہ کہ متفرق اقوال کی صورت میں۔ اس کے علاوہ ان سے کوئی ایسا مطلب نہیں نکلتا، جو ناقد کے مقدمے کی تائید کرتا ہو۔

وہ دو عبارتیں یہ ہیں:

> ”وہ چیز جو قرآن کو برہان قاطع بناتی اور تاویل کے تمام اختلافات ختم کر کے امام فراہی کے الفاظ میں ’القرآن لا یحتمل إلا تأویلاً واحدًا‘ کی حقیقت اُس سے متعلق ثابت کر دیتی ہے، وہ تنہا نظم ہی ہے۔“

قرآن کا یہی نظم ہے جس کی بنا پر اُس نے اپنے مخاطبین کو جب اپنے مانند کوئی کلام لانے کے لیے کہا تو متفرق آیات نہیں، بلکہ ایک یا ایک سے زیادہ سورتیں ہی پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نقد کا اصل محل سیاق و سباق کے ذریعے سے تاویل واحد کے حصول پر نقد ہو سکتا تھا۔ اس نقطے پر وہ ایک لحظے کو آئے، مگر کوئی استدلال قائم نہیں کر پائے۔ یہی موقع تھا کہ کسی مثال سے وہ کوئی غلطی واضح کرتے۔ اس کے برعکس، وہ یہ حقیقت تسلیم کر کے آگے بڑھ گئے کہ سیاق و سباق سے استقرار معنی کے اصول سے کسی کو انکار نہیں۔ یہی اصول ہے جو فکر فراہی نے برتا ہے۔ اس میدان میں فکر فراہی کا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ اس نے اسے ایک سائنس بنا کر پیش کر دیا ہے، اور اس پر زور دیا ہے کہ کسی آیت یا حکم کے بہ یک وقت ایک سے زائد مفاہیم نہیں لیے جا سکتے، ایک ہی مفہوم کی وجہ ترجیح قائم کرنا لازم ہے۔ نیز احادیث اور روایات کو اس کے تحت رکھ کر دیکھنا چاہیے۔ یہ اصولی موقف بھی فقہا کے ہاں کوئی اجنبی موقف نہیں۔ اصول فقہ میں یہ بہ طور اصول مسلم ہے۔

تعیینِ معنی کی اس سائنس کے باوجود اس امکان کا خاتمہ نہیں ہوتا کہ اختلاف فہم نہیں ہو سکتا، مگر اصول تفہیم کا اشتراک بہر حال رفع نزع میں معاون ہوتا اور قاری کے لیے اس کی روشنی میں ایک وجہ ترجیح قائم کرنا سہل بنا دیتا ہے۔

اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے جو اقتباس نقل کیا ہے، وہ غیر متعلق ہے۔ یہ سورتوں کے نظم سے متعلق ہے، اور ضمناً مذکور ہے کہ سورتوں کے اندورنی نظم سے تعیین مدعا میں رہنمائی ملتی ہے۔

”میزان“ کا وہ اقتباس یہ ہے:

”یہ قرآن کی ترتیب ہے۔ اِسے اگر تدبر کی نگاہ سے دیکھیے تو سورتوں کے پس منظر اور زمانۂ نزول کو سمجھنے اور قرآن کے مخاطبین، بلکہ بحیثیت مجموعی سورتوں کے موضوع اور مدعا کی تعیین میں بھی جو رہنمائی اِس سے قرآن کے طالب علم کو حاصل ہوتی ہے، وہ قرآن سے باہر کسی دوسرے ذریعے سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی۔“

یہاں تعیین مدعا میں رہنمائی کی بات کی گئی ہے، نہ کہ قطعیت سے تعیین معنی کے حصول کی۔ تعیین معنی کی قطعیت کا تعلق لفظ کے معنی، جملے کی تالیف اور سیاق و سباق سے ہوتا ہے، جس کی طرف بسا اوقات سورتوں کا نظم بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

سیاق و سباق سے متعلق ڈاکٹر صاحب نے سوال اٹھایا ہے کہ اس سے کیا مراد ہے اور اس کی وسعت کہاں تک ہے۔ یہ سوال اگر واضح نہیں تھا تو نقد سے پیش تر واضح ہونا ضروری تھا۔ سیاق و سباق سے مراد وہی معروف مفہوم ہے کہ زیر غور مقام کے آگے اور پیچھے کے مضمون کو تعیین معنی میں مد نظر رکھا جائے گا۔ سیاق و سباق کبھی خود آیت ہی میں موجود ہوتا ہے اور کبھی متصل آیات میں پھیلا ہوتا ہے۔ یہ عملی نوعیت کی چیز ہے۔ ہر مربوط اس پہلو کو مد نظر رکھ کر پڑھا اور سمجھا جاتا ہے۔ رہی اس کی وسعت تو فکر فراہی نے اسے مبرہن کر کے پیش کر دیا ہے۔ یہ لفظ کے معنی کی تعیین سے لے کر سورتوں کے مرکزی مضمون کی نشان دہی، سورتوں کے باہمی ربط اور ان کی گروپنگ کی صورت میں منتج ہوئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا نتیجہ کہ غامدی صاحب کے اصول تفسیر سے قرآن مجید کے بیش تر احکام اپنے اولین مخاطبین تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور ”گنتی کے چند احکام“ ہی عمومی قرار پاتے ہیں، ان کے مقدمے کی تکنیکی خامی کے باوجود یہاں وارد نہیں ہوتا، اور امر واقعہ کے بھی خلاف ہے۔ یہ تعیین خطاب کے تخصیص احکام میں موثر ہونے کی بحث ہے، جو ڈاکٹر صاحب نے کی ہی نہیں۔ تاہم، غامدی صاحب کے ہاں ایسا کوئی اصول نہیں کہ تعیین خطاب تخصیص حکم کے لیے موثر ہوتا ہے، البتہ یہ ایک قرینہ فراہم کرتا ہے، مگر حکم کا مدار علت کی تعیین اور سیاق و سباق سے ہوتی ہے۔ نیز غامدی صاحب کے ہاں، ڈاکٹر صاحب کے زعم کے برعکس، گنتی کے چند احکام ہیں جو مخصوص قرار پاتے ہیں، جب کہ باقی تمام شریعت عمومیت کی حامل ہے۔ گنتی کے یہ چند احکام گنوائے جا سکتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1۔ کسی قوم کے انکار اسلام کی پاداش میں ان سے قتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختصاص تھا، عام مسلمانوں کو اس کا حق نہیں۔ البتہ ظلم وعدوان کے خلاف جہاد عمومی فریضہ ہے۔

2۔ رسول کے اتمام حجت کے بعد کفار سے تعلقات اور معاہدات کا خاتمہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں کو کفار اور اہل کتاب سے دوستی کی ممانعت بائیکاٹ کے اسی خاص پس منظر سے متعلق تھی۔

3۔ مسلم اور غیر مسلم کی گواہی میں فرق بھی دور رسالت کا اختصاص تھا، اس کی وجہ وہی بائیکاٹ تھا۔

4۔ مسلم اور غیر مسلم میاں بیوی میں تفریق کی وجہ بھی اتمام حجت کے بعد کا یہی بائیکاٹ تھا۔

5۔ وراثت کے احکام میں مسلم و غیر مسلم کی تفریق بھی اسی بائیکاٹ کا نتیجہ تھا۔

6۔ ارتداد کے جرم میں موت کی سزا شریعت کا حکم نہیں۔ ارتداد در حقیقت کفر ہی تھا اور کفر کی سزا مشرکین کے لیے موت مقرر کی گئی تھی، جس کا حکم سورۂ توبہ میں دیا گیا تھا۔

7۔ وراثت میں ایک تہائی وصیت کی تحدید شریعت کا حکم نہیں۔ ایک تہائی کی وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تجویز تھی، یہ بیان شریعت نہ تھا۔

8۔ عورت کی گواہی آدھی نہیں ہے۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر مالی معاملات میں ایک خاص صورت حال میں دی گئی ہدایت تھی۔

ان کے علاوہ شریعت کے تمام احکام اپنی علت کی بنا پر عام ہیں۔ غامدی صاحب کے احکام کی تخصیص و تعمیم کے معاملے میں وہی اصول کار فرما ہے جو فقہا کے ہاں بھی تسلیم ہے کہ احکام بالعلل ہوتے ہیں۔ تعیین علت اور اطلاقات میں اختلاف، البتہ ہوتا ہے اور اسے علمی پیراڈائم میں دیکھنا چاہیے۔

غامدی صاحب کے ہاں احکام کس طرح عمومیت پاتے ہیں، اس کی سنجیدہ تفہیم کے لیے ڈاکٹر عمار خان ناصر کی وقیع کتاب ''قرآن وسنت کا باہمی تعلق'' کا مطالعہ مفید ہے، جس میں غامدی صاحب کے علمی کنٹری بیوشن کو مسلمانوں کی علمی روایت میں رکھ کر دیکھنے کی قابل قدر کوشش کی گئی ہے۔

غامدی صاحب کی کتاب ''میزان'' پر ڈاکٹر عمار خان ناصر کا مقالہ ''میزان، توضیحی مطالعہ'' بھی اس سلسلے میں مفید ثابت ہو گا۔

---

عدنان اعجاز

# امام مہدی ـــــ ایک نہیں دو!

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

'ظہورِ مَہدی' یا 'امام مَہدی' امتِ مسلمہ کے اہم نظریات میں سے ہے، جسے بالعموم ہمارا روایتی علم عقائد کے باب میں شمار کرتا ہے۔ اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ نظریہ کلیتًا احادیث پر مبنی ہے، جن میں چند صحیح اور باقی حسن وضعیف و موضوع ہیں، اور قرآنِ مجید اس کے ذکر و اشارات سے خالی ہے۔ تاہم، اسے عقائد کے باب میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں، اس بحث سے قطعِ نظر، اس نظریے کے خام خدوخال متعلقہ احادیث سے ضرور متبادر ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کے متعلق نہ مکمل استرداد صحیح رویّہ ہے اور نہ ہر تفصیل کے درست اور پورا ہونے کی شرط پر اصرار کوئی معتدل مطالبہ۔

اس نظریے پر بحث کرنے سے پہلے دو مبادی مدِ نظر رہنے چاہییں:

1۔ شواہد حقیقی وجود رکھتے ہیں اور انھیں جوڑ کر نظریات ہم بناتے ہیں۔ یہ بات جیسے آفاق و انفس میں سچ ہے، ویسے ہی تاریخ و ادب میں حق۔ چنانچہ عین ممکن ہے کہ ایک ہی مجموعۂ شواہد کو ایک طریقے سے جوڑنے سے ایک نظریہ پیدا ہو اور ایک دوسرے طریقے سے جوڑنے سے دوسرا۔ پس یہ ذہن نشین کرنے کی بات ہے کہ نظریہ شواہد کا ایک ایسا بیان ہوتا ہے جو نظریہ ساز کے

وضع کردہ اصولوں کے شواہد پر اطلاق سے وجود پاتا ہے، اس لیے شواہد کی حقانیت کے باوجود وضع کردہ نظریہ بہتری و کہتری یا صحت و سقم کے امکانات سے خالی نہیں ہوتا۔

2۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کی پہلی منتخب امّت نہیں۔ نہ صرف یہ کہ اس سے پہلے یہود و نصاریٰ اس انتخاب سے گزر چکے، بلکہ تاسیسِ امّتِ مسلمہ کے وقت ہی اس یاد دہانی سے آغاز کیا گیا تاکہ پچھلی امتوں کی غلطیاں شروع ہی سے پیشِ نظر رہیں اور نذر و حذر کے کام آئیں۔ یہ غلطیاں جس طرح ایمان و شریعت کے ابواب میں ہوئیں، اسی طرح پیشین گوئیوں کے باب میں بھی ہوئیں۔ اور ان کے تجزیے سے ہم اس امر میں فراست حاصل کر سکتے ہیں کہ پیشین گوئیوں کو کیسے سمجھنا چاہیے اور ان کے مصداقات کو کیسے متعین کرنا چاہیے۔

چنانچہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مسیح و محمد صلی اللہ علیہما وسلم کے متعلق مختلف پیشین گوئیوں کو جوڑ کر انھوں نے ایسے ”ڈرامائی“ خاکے تیار کر لیے کہ نہ ان کے مصداق انھیں مل سکے، نہ کبھی ملیں گے؛ اور وہ آج تک ان کے منتظر ہیں۔ امتِ مسلمہ میں امام مہدی کا معاملہ بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

تفصیل میں جائے بغیر، امام مہدی کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے موقف کا اگر ایک خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ کچھ اس طرح بنے گا:

> ”آخری زمانے (1) میں مسلمانوں (2) کا ایک امیر یا خلیفہ (3) ہو گا، وہ اہلِ بیت (4) سے ہو گا، اس کا نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہو گا (5) (اور اس کے والد کا نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام پر ہو گا)، وہ زمین (6) کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ وہ ظلم و جَور سے بھری جا چکی ہو گی، اس کے 7-9 (7) سالہ دور میں اسلام کا غلبہ (8) ہو گا، اقتصادی خوش حالی ہو گی اور وہ بہت فیّاض ہو گا۔ یہ وہی ہو گا جس کو حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام اپنے نزول کے وقت نماز کی امامت کرانے کو کہیں گے (9)۔“

اگرچہ لوگ جانتے ہوں گے پھر بھی یاد دہانی فائدے سے خالی معلوم نہیں ہوتی کہ یہ پورا نظریہ کسی ایک ہی روایت میں بیان نہیں ہوا، بلکہ متعدد روایات میں بکھری ہوئی جزوی معلومات کو جمع کر کے وجود میں لایا گیا ہے۔ تو آیئے، ذرا مرقوم عبارات کو، جن کے انضمام سے نظریۂ مہدویت تکمیل پاتا ہے، فرداً فرداً دیکھتے ہیں تاکہ آگے کی بات سمجھ میں آ سکے۔

(1) اصل الفاظ: ’آخر الزمان‘، ’آخر امتی‘، ’لو لم یبق من الدھر / الدنیا الا یوم / لیلۃ‘،

’لا تذھب / تنقضی الدنیا‘۔ روایتی فہم میں بالعموم ان عبارات کو جو مختلف روایات میں آئی ہیں، ایک نہایت محدود مفہوم پر محمول کر دیا جاتا ہے، یعنی آخری زمانے میں یا امت کے آخری حصے میں، جس سے پھر قیامت سے متصلاً پہلے آنے والی چند نسلوں کا تعین اخذ کر لیا جاتا ہے۔ یہ مفہوم و استنباط درست نہیں۔ چاہے ’آخر‘ کا لفظ ہو یا ’دنیا ختم نہیں ہو گی‘ کی تعبیر ہو، یہ اپنے اندر ایک وسعت رکھتی ہیں، جنھیں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے بعد سے لے کر قیامت تک کے پورے زمانے کو بلا تعیین مراد لینا ہوتا تھا تو اس طرح کے الفاظ و تراکیب استعمال فرمایا کرتے تھے۔ یہ وسعت ’آخر‘ کے لفظ میں بھی موجود ہے اور ’دنیا ختم نہیں ہو گی‘ کی عبارت میں بھی، اس لیے اس کے مصداق کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی وقت ہو سکتا ہے، نہ کہ صرف دنیا کے اختتام سے قبل چند نسلیں۔

(2) اصل الفاظ: امت، عرب۔ کہیں ’امت‘ کہہ کر، تو کہیں ’عرب‘ کہہ کر یہ مفہوم ادا کیا گیا ہے۔ چنانچہ جس طرح اس میں یہ امکان موجود ہے کہ پوری مسلم امت کا کوئی حکمران ہو، اسی طرح یہ امکان بھی ان مختلف الفاظ سے پوری طرح سامنے آتا ہے کہ فقط عرب کا کوئی حکمران ہو۔

(3) اصل الفاظ: امیر، خلیفہ، ملک، رجل، امام۔ ان مختلف الفاظ سے سیاسی حکمران کا مفہوم ادا کیا گیا ہے۔ ’امام‘ کا لفظ اگرچہ ہمارے یہاں ایک مذہبی جہت بھی رکھتا ہے، مگر ایک تو عربی میں اس کا عام استعمال محض حکمران یا لیڈر کے لیے معروف ہے، دوسرے اکثر روایتوں میں ’امام‘ کا لفظ ہے ہی نہیں، بلکہ دوسرے مذکورہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

(4) اصل الفاظ: ’منّی‘، ’من اھل بیتی‘، ’من عترتی‘۔ یعنی مجھ سے ہو گا یا میرے اہل بیت و عترت سے ہو گا۔ اگرچہ ’اہل بیت‘ کے الفاظ اکیلے بھی آئے ہیں، کچھ روایات ایسی مل جاتی ہیں جن میں راوی ”مجھ سے ہو گا“ یا ”میرے اہل بیت سے ہو گا“ کی عبارات میں اپنے تردّد کا اظہار کر دیتا ہے۔ چنانچہ ’مجھ سے ہو گا‘ میں وہ وسعت داخل ہو جاتی ہے جو ’اہل بیت‘ کی تحدید سے وسیع تر ہے۔

(5) ’اس کا نام میرے نام پر ہو گا‘، اور بعض میں اضافہ ہے کہ ’اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہو گا، اگرچہ یہ دونوں باتیں روایات میں اکٹھی وارد ہوتی بھی نظر آتی ہیں، بہت سی روایات صرف ’میرے نام پر ہو گا‘ پر اکتفا کرتی ہیں اور بس کسی کسی میں والد کے نام والی بات ملتی ہے۔ اسی لیے میں نے اس دوسری بات کو قوسین میں رکھا ہے۔

(6) 'الارض' کا لفظ ملتا ہے، جس کے معنی زمین کے ہیں۔ یہ وہ لفظ ہے جس سے بالعموم پوری زمین مراد لے کر پھر امام مہدی کے آفاقی حکمران ہونے پر دلیل بھی پکڑی جاتی ہے، دراں حالیکہ یہ لفظ عربی میں اکثر و بیش تر سیاق و قرائن کی مناسبت سے محدود ہوتا ہے، اس لیے اس کا ترجمہ 'زمین کا بس وہ حصہ جس پر وہ حکمران ہو گا' کرنے میں کچھ مانع نہیں، بلکہ اولیٰ وارجح ہے۔

(7) بعض روایات میں 'سات سال' اور بعض میں 'نو سال' آئے ہیں۔ کچھ میں 'آٹھ' کا بھی تذکرہ ہے۔

(8) بعض روایات میں یہ بات آتی ہے اور اس طرح کثرت سے نہیں ملتی جس طرح باقی عبارات ملتی ہیں۔ تاہم، غلبے کا حدود اربعہ کیا ہو گا، اس کے متعلق بھی اسی قسم کا افراط ہمیں روایتی علم میں ملتا نظر آتا ہے، جیسے 'الارض' میں، جس کی بنیاد نہایت کم زور ہے۔

(9) یعنی فتحِ قسطنطنیہ و نزولِ عیسیٰ علیہ السلام و دجال والی روایات میں جس امام کا ذکر ہے۔ اس جملے کو پچھلی تمام عبارات سے علیحدہ کرنے کے لیے قارئین اس سے پہلے وقفِ ختمہ کو دیکھ سکتے ہیں، جو اتفاقی نہیں ارادی ہے۔ یہ اس لیے کہ یہ نشانی بالکل علیحدہ نوعیت کی احادیث میں وارد ہوئی ہے جن میں پچھلی عبارات میں موجود نشانیوں کی کوئی رمق نہیں، اور جن میں وہ بیان ہوئی ہیں، ان میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ہوا یہ ہے کہ علماے اسلاف نے ان دونوں علیحدہ باتوں کو اپنا نظریہ تشکیل دینے کے لیے ملا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں اس قدر مختلف نوعیت کی سلسلۂ روایات ہیں کہ ان دونوں کو کسی طور یکجا نہیں ہونا چاہیے تھا۔

'مہدی' کا لفظ اکثر روایتوں میں نہیں آتا۔ تاہم، اس پر اعتراض کی تو کوئی وجہ نہیں کہ اس پورے نظریے میں 'مہدی' کا لفظ کیوں مرکزیت اختیار کر گیا۔ یہ اس لیے کہ جس امام کا تذکرہ مراد لیا گیا، اسے خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہونے کو علامت بنا لیا گیا، جس میں یوں تو کوئی مسئلہ نہیں، مگر ہمارے یہاں مہدی پھر امتدادِ زمانہ سے ایک تقریباً طلسماتی اہمیت اختیار کر گیا، حالاں کہ یہ ایک قدرے عام لفظ تھا، جو خلفاے راشدین کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ جس طرح کا التباس و تشویش اہلِ کتاب کے علم میں لفظِ 'مسیح' نے برپا کر دی، اسی طرح ہمارے یہاں لفظِ مہدی نے کر دی۔ دراصل بات غالباً صرف اتنی تھی کہ حکمران کو جب نیک و تابعِ سنت قرار دینا تھا تو اس لفظ سے کیا جاتا تھا اور بس۔

نوٹ: عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی مہدی نہیں، کم زور روایت ہے۔ اسی طرح بارہ اماموں والی حدیث پر بھی بہت بحث ہے، اس لیے انھیں شاملِ خلاصہ نہیں کیا گیا۔

اب جب کہ اس نظریے کو تشکیل دینے والے اجزاے متحر کہ نمایاں ہو چکے اور قدرے مختلف مفاہیم پر ان کی ممکنہ دلالتیں سامنے آ گئیں، ذیل میں پیش کیے جانے والے متبادل نظریۂ مہدی کی شقوں کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہونی چاہیے:

1۔ احادیث میں وارد ہونے والی متفرق نشانیاں ایک نہیں، دراصل کم سے کم دو مہدیّین یا حکمرانوں کے متعلق تھیں، جنھیں ایک سمجھ لیا گیا۔ یعنی ایک وہ جن کے متعلق عرب کا حکمران ہونے، فیاض ہونے، زمین کو ظلم وجور کے بعد عدل وانصاف سے بھر دینے وغیرہ کی پیشین گوئیاں تھیں اور دوسری وہ جو فتحِ قسطنطنیہ اور دجال و مسیح والی روایات میں مذکور تھیں۔

2۔ پہلی نوعیت کی نشانیاں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ میں پوری ہو گئیں؛ سب نہیں تو اکثر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رفقا حضراتِ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور اسماء بنتِ ابو بکر رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھٹی پائی، یزید کی بیعت نہیں کی، مدینہ سے مکہ ہجرت کر گئے، بیت اللہ میں ان کی بیعت کی گئی، شام سے انھیں مارنے کے لیے لشکر آئے، نو سال عرب کے حکمران رہے، ان کے دور میں خوش حالی رہی، عراق و شام نے پھر انھیں خراج بھیجنا بند کر دیے۔ گویا تمام بڑی نشانیاں ان میں پوری ہوتی نظر آتی ہیں۔

3۔ دوسرے فاتحِ قسطنطنیہ، یعنی محمد الفاتح تھے، جنھوں نے سلطنتِ روما سے ان کا قدیم دارالخلافہ ایک تاریخ ساز معرکے میں ایسا چھینا کہ پھر کبھی انھیں واپس نہ مل سکا اور بچی کھچی سلطنتِ روما ہمیشہ کے لیے زمیں بوس ہو گئی۔

4۔ ان دونوں حضرات کے نام بھی کوئی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں۔ ایک کا نام حضور کے والد کے نام جیسا اور دوسرے کا خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ چنانچہ اگر راویوں سے ان دونوں میں غتر بود ہو گئی ہو تو تاریخ کے طالب علموں کے لیے یہ کوئی بعید از امکان چیز نہیں۔ یعنی عین ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مختلف مواقع پر کبھی ان میں سے ایک کے متعلق کوئی ارشاد فرمایا اور کبھی دوسرے کے، مگر راویوں نے چونکہ انھیں ایک ہی شخص شمار کر لیا، جیسا کہ بعد میں علما نے بھی کیا، اس لیے ان دونوں علیحدہ نشانیوں کو ایک ہی شخص میں جمع کر دیا گیا۔

تاہم اکثر نشانیاں پوری ہونے کے باوجود جو نشانیاں ان میں پوری نہیں ہوئیں، ان کی بھی توجیہ ہونی چاہیے، جو یہ ہے:

1۔ اہلِ بیت یا ولدِ فاطمہ ہونے کی نشانی ان میں پوری نہیں ہوئی۔ اس کی ایک ممکنہ وجہ کی طرف تو اوپر اشارہ گزر چکا۔ یعنی کیونکہ بعض روایات میں 'منّی او من اھل بیتی'، یعنی "وہ مجھ سے ہو گا یا میرے اہل بیت سے ہو گا" کے درمیان راوی کو التباس ہو گیا، کیا بعید ہے کہ اصل بات 'منی' والی ہی ہو اور بعد میں "اہل بیت" والی بات زیادہ شہرت پکڑ گئی ہو۔ یہ اوپر بیان کیا جا چکا کہ اس طرح کی کسی ایک آدھ نشانی کے پورا ہونے پر اصرار، جب کہ اکثر نشانیاں پوری ہو چکی ہوں، غلط رویہ ہے اور اہلِ کتاب کی تاریخ سے اس رویے کی غلطی ہمارے لیے نظیر کے طور پر موجود ہے۔

2۔ خروجِ دجال و نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اس امام کے ہوتے پیش نہیں آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان واقعات کو صحیح سمجھا ہی نہیں گیا۔ متعلقہ روایات کے سرسری مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہی امام، جنھیں یہاں محمد الفاتح پر محمول کیا گیا ہے، گویا دجال کے خلاف صف آرا ہوں گے اور اسی اثنا میں نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے سرفراز ہوں گے، پر یہ تاویل درست نہیں۔ یہ نکتہ چونکہ دجال و مسیح کے مصداقات سے متعلق ہے، جو بہ ذاتِ خود ایک گھمبیر مسئلہ ہے اور جس پر علیحدہ سے تفصیلی بحث درکار ہے، اس لیے فی الوقت اس نکتے پر بحث اگلی قسط تک اٹھا رکھنا ہی مجبوری ہے۔ اس نکتے کے علاوہ باقی سب نشانیوں پر بحث، البتہ مکمل ہوئی۔[1]

مضمون کا خلاصہ یہ ہوا کہ ظہورِ مہدی کے باب میں وارد ہونے والی یا متعلق کی جانے والی روایات دراصل ایک نہیں، دو مختلف حکمرانوں کے متعلق تھیں۔ ان میں سے ایک نوعیت کی روایات کے مصداق حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری کے محمد الفاتح۔ چنانچہ یہ دونوں واقعات پورے ہو چکے اور امت کا اب بھی ان کا منتظر رہنا اسی قدیم غلطی کو دہرانا ہے جو اہلِ کتاب سے مسیح و محمد صلی اللہ علیہما وسلم کے مصداقات متعین کرنے میں ہوئی۔

---

[1]۔ اس اور دوسری علاماتِ قیامت پر بحث راقم کے یوٹیوب چینل پر جاری ہے اور پیٹریان پر اس کے متعلق مضامین کی اشاعت بھی۔ تفصیل کے طالب وہاں پر بحث ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

سید محمد رضوان علی

# احکام حجاب کی تفہیم میں نظم قرآن کی اہمیت

(1)

سورۂ احزاب میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کر کے حجاب سے متعلق احکام دیے گئے ہیں۔ نیز عام خواتین کو بھی فتنہ کی حالت میں خصوصی اہتمام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ان احکام کی تفہیم میں سورہ کے مضمون کو نظر انداز کرنے اور انھیں متفرق ہدایات سمجھنے کی وجہ سے انتہائی غیر متعلق تاویلات سامنے آجاتی ہیں، لیکن جیسے ہی پوری سورہ کے مضمون کو مد نظر رکھتے ہوئے، ایک مربوط کلام کی حیثیت سے، ان احکام کو سمجھا جاتا ہے تو مدعا بے غبار ہو کر سامنے آ جاتا ہے اور احکام کی حکمت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ احکام حجاب اور نظم قرآن کے اسی باہمی تعلق کو اس مضمون میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے تفسیر قرآن میں نظم قرآن کی اہمیت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اور جاوید احمد صاحب غامدی کے نقطۂ نظر کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

## مولانا سید ابولاعلیٰ صاحب مودودی کی رائے

مولانا مودودی اور بعض دیگر اہل علم احکام حجاب کو امت کی تمام عورتوں کے لیے عام سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو خطاب کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے اس پاکیزہ طریقۂ زندگی کی ابتدا ہو گی تو باقی سارے

مسلمان گھرانوں کی خواتین خود اس کی تقلید کریں گی۔[1] اسی بنیاد پر وہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ عورت کا اصل دائرۂ عمل اس کا گھر ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ اسی دائرہ میں رہتے ہوئے اپنے فرائض سرانجام دے۔[2] نیز آیت جلباب (آیت 59) کے تحت وہ چہرہ کے پردہ کا استنباط کرتے ہوئے اسے ابدی حکم قرار دیتے ہیں۔[3] ہماری طالب علمانہ رائے میں احکام حجاب کی یہ تاویل سورہ کے مضمون کو نظر انداز کرنے اور احکام کو متفرق سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

## جاوید احمد صاحب غامدی کی رائے

اس کے برعکس، جاوید احمد صاحب غامدی اور جمہور اہل علم ان احکام کو فتنہ کے مخصوص حالات کے تحت دیے گئے خصوصی احکام سمجھتے ہیں، جن کی مخاطب صرف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ہیں اور امت کی عام عورتوں سے ان احکام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[4] نیز ان کے نزدیک آیت جلباب (آیت 59) کا مدعا خواتین پر چہرے کے پردے کو لازم قرار دینا نہیں، بلکہ فتنہ کے ماحول میں شناخت قائم کرنے کی ایک وقتی تدبیر اختیار کرنا ہے تاکہ منافقین کے فتنوں سے بچا جا سکے۔[5] ان کے مطابق، فتنہ سے بچنے کی ان خصوصی ہدایات کے برعکس، مرد و زن کے اختلاط کے عمومی آداب اصلاً سورۂ نور 24 کی آیات 27 تا 31 میں بیان کئے گئے ہیں، جن کا سورۂ احزاب میں بیان کردہ ان خصوصی احکام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔[6] غامدی صاحب نے پردہ کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اگر سورۂ احزاب کے موضوع اور مضمون کو پیش نظر رکھا

---

[1]۔ تفہیم القرآن 4/88۔

[2]۔ تفہیم القرآن 4/90۔

[3]۔ تفہیم القرآن 4/129۔

[4]۔ البیان 4/131-160، 132۔

[5]۔ البیان 4/163۔

[6]۔ میزان 464-465۔

جائے تو ان احکام کی کسی صورت تعمیم نہیں کی جاسکتی۔[7] اس طرح انھوں نے جمہور اہل علم کے نقطۂ نظر کی تائید میں نظم قرآن کے واضح قرینہ کو پیش فرمایا ہے۔ ذیل میں ان کے اسی نقطۂ نظر کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

## سورۂ احزاب کا موضوع اور مضمون

سورۂ احزاب پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ میں فتنہ کی اس صورت حال سے نمٹا گیا ہے جو منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے پیدا کر رکھی تھی۔ منافقین کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے گھروں کو ہدف بنالیا گیا تھا تاکہ ان کی اخلاقی ساکھ کو سوسائٹی میں مجروح کیا جاسکے۔ اس شیطانی مقصد کو پورا کرنے کے لیے منافقین نے ہر ممکن سازش کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، جس کی تفصیل سورۂ نور میں بیان ہوئی ہے۔[8] نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے معاملے کو بھی شدید پروپیگنڈا کا ذریعہ بنالیا۔[9] اور یہ پروپیگنڈا اتنا سخت تھا کہ اس کے اثر سے ہماری تفاسیر کی کتابیں بھی نہ بچ سکیں اور ان میں بھی موضوع اور باطل روایات نقل ہوگئی ہیں۔[10] اس کے ساتھ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ کو ختم کرنے کے لیے منافقین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں، بیٹیوں اور صحابیات کو ہدف بنایا تاکہ کوئی اسکینڈل بنایا جاسکے۔ اگر ایسا کوئی جھوٹا اسکینڈل بن جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی ساکھ مجروح ہو جاتی اور دین کو اس سے ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ یہ وہ صورت حال ہے جس سے سورۂ احزاب میں نمٹا جارہا ہے اور اسی پس منظر میں وہ احکام دیے گئے ہیں جو یہاں زیر بحث ہیں۔

---

[7]۔ 23 اعتراضات سیریز، موضوع: پردہ۔

[8]۔ النور 24: 11-26۔

[9]۔ الاحزاب 33: 37۔

[10]۔ ضیاء القرآن 4/ 59-64۔

# احکام حجاب کا موقع و محل

سورۂ احزاب کی آیت 28 سے احکام حجاب کی یہ ساری بحث شروع ہوتی ہے۔ اس آیت کو آیت تخییر بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا تھا کہ دنیا اور اس کی زینت یا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتی تھیں۔ علیحدگی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو خوش اسلوبی سے رخصت کر دیتے۔ اور اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار فرمانے کا فیصلہ کرتیں تو ان کے لیے جزا و سزا کا قانون بھی ان کے منصب کی رعایت سے مقرر ہوتا۔ ارشاد فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا. وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا. یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا. وَمَنْ یَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِیْمًا.

(الاحزاب 33: 28-31)

”(اِس طرف سے مایوس ہو کر اب یہ منافقین تمھارے گھروں میں فتنے اٹھانا چاہتے ہیں، اِس لیے)، اے نبی، اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمھیں دے دلا کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اِن سب چیزوں سے بے نیاز ہو کر اُسی کے لیے سرگرم رہو، اِس لیے کہ اللہ نے تم میں سے خوبی کے ساتھ نباہ کرنے والیوں کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ نبی کی بیویو، تم میں سے جو کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی، اُس کے لیے دہرا عذاب ہے اور یہ اللہ کے لیے آسان سی بات ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ

اور اُس کے رسول کی فرماں بردار بنی رہیں
گی اور نیک عمل کریں گی، اُنھیں ہم اُن کا
دہرا اجر عطا فرمائیں گے اور اُن کے لیے ہم
نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔"[11]

سورہ کے تدریجی ارتقا اور مضمون پر تدبر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان آیات کا مقصد فتنہ کی صورت حال سے نمٹنا تھا۔ منافقات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتی تھیں۔ وہ ان کو یہ باور کراتیں کہ ان کا تعلق تو اعلیٰ گھرانوں سے ہے، اس کے باوجود وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان مشکل حالات میں زندگی کیوں گزار رہی ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو بہت سے اعلیٰ گھرانے کے افراد سے شادی کر سکتی ہیں۔ اس فضا میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی کا اختیار دینے کا مقصد منافقات کے اسی فتنہ کا خاتمہ تھا، کیونکہ ازواج مطہرات سے یہی امید تھی کہ وہ پیغمبر کی رفاقت کو اختیار فرمائیں گی اور اس طرح یہ فتنہ خود بہ خود دم توڑ دے گا۔ لہٰذا ایسا ہی ہوا اور تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔[12]

مولانا امین احسن اصلاحی ان آیات کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:[13]

---

[11]۔ اس مقالہ میں قرآن مجید کی تمام آیات کا ترجمہ استاذ گرامی جاوید احمد غامدی کے ترجمۂ قرآن "البیان" سے لیا گیا ہے۔

[12]۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر 3/628۔

[13]۔ مولانا اصلاحی نے اس باب میں پیش کردہ شان نزول کی روایات پر نقد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ہمارے مفسرین نے ان آیات کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو فی الجملہ معاشی کشادگی حاصل ہوئی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے بھی آپ سے مطالبہ کیا کہ ان کو بھی زندگی کی راحتوں اور زینتوں سے متمتع ہونے کا موقع دیا جائے۔ ان کے اس مطالبہ پر بہ طور عتاب یہ آیات نازل ہوئیں۔ ہمارے نزدیک کئی پہلوؤں سے یہ بات نہایت کمزور ہے۔ اول تو قرینہ دلیل ہے کہ یہاں جن حالات پر تبصرہ ہو رہا ہے وہ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال سے تعلق رکھنے والے ہیں، اور

”ان آیات میں ازواج مطہرات پر دنیا طلبی کے جرم میں کوئی عتاب نہیں ہوا ہے، جیسا کہ لوگوں نے سمجھا ہے۔ بلکہ یہ اللہ ورسول کی طرف سے ان کو آزادی کا پروانہ دے کر ان کے اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرایا گیا تاکہ ان منافقین کے حوصلے ہمیشہ کے لیے پست ہو جائیں جو اس طمع خام میں مبتلا تھے کہ ازواج نبی کو دنیا کی کسی طمع کے پھندے میں پھنسا کر اپنی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ اعلان تخیر کے بعد گویا ہر ایک کو حوصلہ آزمائی کا موقع دے دیا گیا، لیکن سب پر ثابت ہو گیا کہ اہل بیت رسالت کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس حرم کے اندر کسی کے لیے کسی دراندازی کی گنجائش نہیں ہے۔“(تدبر قرآن 6/ 207-208)

پچھلی آیات سے واضح ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار فرما کر عام خواتین نہیں رہی تھیں۔ لہٰذا انھیں ان کے منصب کی رعایت اور منافقین کی سازشوں سے محفوظ رکھنے کے لیے خصوصی احکام دیے گئے۔ ارشاد فرمایا ہے:

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ ”نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی طرح

---

غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کے حالات زیر بحث آئے ہیں، آگے حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان تمام واقعات کا تعلق 5ھ سے ہے۔ خیبر ابھی فتح نہیں ہوا تھا۔ اوپر آیت 27 کے الفاظ 'وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا' کے تحت خود مفسرین ہی نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ فتح خیبر کی پیشگی بشارت ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ مطالبہ اگر مجردانان نفقہ میں فی الجملہ توسیع کے لیے تھا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس پر ان کو یہ نوٹس دے دیا جائے کہ ان کو دے دلا کر ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا جائے۔ اس طرح کی بات پر اول تو کسی تنبیہ کی سزاوار ہی نہیں تھیں اور اگر تھیں بھی تو زیادہ سے زیادہ اس نصیحت کی مستحق تھیں کہ نبی کی معیت مطلوب ہے تو انھیں صبر و قناعت کی زندگی اختیار کرنی پڑے گی۔ تیسرا یہ کہ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے متعلق یہ سوء ظن نہیں کیا جا سکتا کہ ان پر دنیا کی راحتوں اور زینتوں کا شوق کسی دور میں بھی اتنا غالب آ گیا ہو کہ وہ اس کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی ہوں اور معاملہ اتنا سنگین ہو گیا ہو کہ خود اللہ تعالیٰ کو اس میں مداخلت کرنی پڑی ہو اور نوبت اس نوٹس تک پہنچ گئی ہو جو ان آیات میں ان کو دیا گیا۔ بہر حال یہ شان نزول ہمارے نزدیک قابل توجہ نہیں ہے۔ نہ آیت کے الفاظ سے اس کی تائید ہوتی ہے، نہ وقت کے حالات سے۔“(تدبر قرآن 6/ 205-206)

النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا. وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا. وَ اذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا.

(الاحزاب 33:32-34)

نہیں ہو۔ اگر تم خدا سے ڈرو تو (ان لوگوں کے ساتھ) نرمی کا لہجہ اختیار نہ کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے، وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے اور معروف کے مطابق بات کرو۔ تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور اگلی جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت پر قائم رہو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے، اِس گھر کی بیبیو کہ تم سے (وہ) گندگی دور کرے (جو یہ منافق تم پر تھوپنا چاہتے ہیں) اور تمھیں پوری طرح پاک کر دے۔ اور تمھارے گھروں میں اللہ کی آیتوں اور اُس کی حکمت کی جو تعلیم دی جاتی ہے، اُس کا چرچا کرو۔ بے شک، اللہ بڑا ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔‘‘

پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ ازواج مطہرات کو آیت تخییر میں یہ اختیار دیا گیا تھا کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدگی اختیار کر کے عام خواتین کی طرح زندگی گزارنا چاہیں تو گزار سکتی ہیں۔ یہ اختیار دینا انصاف کے اعتبار سے نہایت ضروری تھا، کیونکہ ازواج مطہرات کی حیثیت سے ان پر کچھ ایسی پابندیاں عائد ہونے والی تھیں جو ان کی زندگی کو عام خواتین سے بالکل مختلف کر دیتیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں تو اپنی مرضی سے ان کی رفاقت اختیار فرمائیں، ورنہ خوش اسلوبی سے علیحدہ ہو جائیں۔ لہٰذا انھوں نے جب خوش دلی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کر لی تو ان پر واضح کر دیا گیا کہ اب ان کی حیثیت عام خواتین جیسی نہیں ہو گی اور ان کے ساتھ جزا و سزا کا معاملہ بھی ان کے

منصب کی رعایت سے طے کیا جائے گا۔

یہ حقائق واضح کرنے کے بعد ہی ان کو مندرجہ بالا ہدایات دی گئی ہیں، جن کی رو سے ان کے لیے ضروری تھا کہ اپنی تمام سرگرمیاں ختم کر کے اپنے گھروں میں ٹھہریں، عبادات میں مشغول رہیں اور اللہ کے دین کی تبلیغ کو اپنا مقصد زندگی بنالیں۔ ان پر واضح کر دیا گیا کہ انھوں نے اب پیغمبر کی ازواج کی حیثیت سے گھروں میں رہ کر منافقین کی سازشوں کا مقابلہ کرنا ہے اور صرف دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری ادا کرنی ہے تاکہ منافقین ان پر کوئی اخلاقی نجاست نہ لگا سکیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو جب گھروں میں ٹک کر رہنے کا حکم دیا گیا تو اس کا مقصود یہی تھا کہ عام خواتین نے تو گھروں سے باہر بھی نکلنا ہے اور اس وقت کی معاشرت کے حساب سے اپنے معاملات بھی انجام دینے ہیں، لیکن ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ان کے منصب اور حالات کے لحاظ سے اپنے گھروں میں مستقل سکونت اختیار کرنا ہی بہتر ہے۔

غامدی صاحب 'وَقَرۡنَ فِيۡ بُيُوۡتِكُنَّ' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''یہ ہدایت بھی اُسی منصب اور اُس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہے جو ازواج مطہرات کو حاصل تھا کہ اُنھیں زمانۂ جاہلیت میں بڑے لوگوں کی بیگمات کے طریقے پر اپنی زیب و زینت کی نمایش کرتے ہوئے باہر نہیں نکلنا چاہیے، بلکہ جو حالات اُنھیں درپیش ہیں، اُن میں باہر نکلنے ہی سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اِس لیے کہ منافقین شب و روز اِسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ اُن سے متعلق کوئی اسکینڈل پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ عام عورتوں کے ساتھ اِس ہدایت کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنے حالات اور اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے اُس زمانے میں بھی، جہاں چاہیں، جا سکتی تھیں اور اب بھی جا سکتی ہیں۔ اجنبیوں کے سامنے زیب و زینت کی نمایش، البتہ اُن کے لیے بھی ممنوع ہے، اِس لیے کہ سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے اِس کی ہدایت اُنھیں الگ فرما دی ہے۔ یہاں اتنی بات مزید واضح ہوئی کہ اجنبی مردوں کے سامنے زیب و زینت کی نمایش جاہلیت کا طریقہ ہے، اِس کا اسلامی تہذیب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''
>
> (البیان 4/ 131-132)

[باقی]

ریحان احمد یوسفی

# دین کا بنیادی اصول

پچھلے دنوں ایک ڈینٹسٹ سے ان کے تجربات کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ انھوں نے ایک بڑی دل چسپ بات یہ بتائی کہ ان کے پاس بہت سے لوگ دانتوں کی بیماریاں لے کر آتے ہیں، حالاں کہ وہ ساری عمر باقاعدگی سے ٹوتھ برش کرتے رہے ہوتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے دانتوں کو برش تو کرتے ہیں، مگر درست طریقے سے نہیں کرتے۔ وہ برش کرنے کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ دانتوں پر تیزی سے برش پھیر دیا جائے۔ چند سیکنڈ برش کو دانتوں سے رگڑنے کے بعد وہ کلی کرتے ہیں، ٹوتھ پیسٹ کی خوش بو سے فریش محسوس کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ حالاں کہ ان کے دانت اور خاص کر ڈاڑھیں بالکل بھی صاف نہیں ہو پاتی۔

پھر انھوں نے برش کرنے کا درست طریقہ بتایا کہ منہ میں اوپر نیچے کے دانتوں کے سولہ حصے ہوتے ہیں۔ ہر حصے کے دانتوں کی ساخت جدا ہوتی ہے، اسی ساخت کے مطابق برش کو آگے پیچھے، دائیں بائیں یا اوپر نیچے حرکت دینا چاہیے۔ اس بات کو سمجھاتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ اوپر اور نیچے کے دانتوں میں ڈاڑھوں کے دائیں بائیں چار حصے ہیں۔ ہر طرف کی ڈاڑھوں کی تین سطحیں ہوتی ہیں۔ ڈاڑھ کے آگے اور پیچھے کی ہموار سطح اور اوپر کی وہ نوکیلی سطح جس سے ہم نوالہ چباتے ہیں۔ یوں کل ملا کر ان بارہ جگہوں پر برش ہونا چاہیے۔

یہاں برش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آگے اور پیچھے کی سطح پر اس طرح برش کرنا چاہیے کہ جڑ

سے اوپر کی طرف برش جائے تاکہ جڑوں اور ریخوں میں لگے ذرات نکل جائیں۔ جب کہ اوپر کی سطح پر برش دائیں بائیں پھیرنا چاہیے تاکہ اوپر لگے ذرات نکل جائیں۔

اس کے بعد دانتوں کا وہ اگلا حصہ ہوتا ہے جو ہنسی آنے پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اس میں اوپر نیچے اور آگے پیچھے ملا کر کل چار سطحیں ہیں۔ ان پر برش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لمبا برش کر کے جڑ سے کنارے تک برش پھیرا جائے۔ ہر سطح پر برش کو پندرہ سے بیس دفعہ پھیرنے سے وہ حصہ ذرات سے عام طور پر صاف ہو جاتا ہے، جس کے بعد نہ دانتوں میں کبھی درد ہو گا، نہ کیڑا لگے گا، نہ منہ سے بدبو آئے گی اور نہ دانتوں کی پیلاہٹ کا مسئلہ ہی پیدا ہو گا۔ ہو گا تو اس کی وجہ کچھ اور ہو گی، دانتوں کی صفائی کا نہ ہونا اس کی وجہ نہیں بن سکے گا۔

ڈینٹسٹ کے اس تفصیلی تجزیے کو سن کر مجھے احساس ہوا یہ کتنا بڑا دھوکا ہوتا ہے کہ انسان بہ ظاہر ایک کام کرتا ہے، مگر درست طریقے سے نہ کیا جائے تو وہ کام مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کرتا۔ یہی معاملہ دینی احکام کا ہے۔ دینی احکام میں بنیادی اصول یہ ہے کہ جو کہا جائے، وہ کیا جائے اور دوسرے یہ کہ جیسے کہا جائے، ویسے ہی اور اتنا ہی کام کیا جائے۔ تبدیلی یا اضافے کا مطلب خود کو دھوکا دینا ہے۔ یہ معاملہ خاص کر ایمانیات اور عبادات میں بہت اہم ہے۔

مثال کے طور پر دین میں پانچ ایمانیات دیے گئے ہیں تو ان سے آگے بڑھ کر ایمانیات کی فہرست میں اضافہ کرنا قیامت کے دن اللہ کی گرفت کا سبب بن جائے گا۔ عبادات میں نماز، زکوٰۃ و صدقۂ فطر، روزہ و اعتکاف، حج و عمرہ اور قربانی کو مشروع کیا گیا ہے۔ ان سے بڑھ کر اپنی طرف سے مزید عبادات کا اضافہ کرنا یا ان عبادات کو سنت طریقے سے ہٹ کر اختیار کرنا، ایک دفعہ پھر روز قیامت جواب دہی کا سبب بنے گا۔

قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بالکل واضح ہیں کہ دین میں اضافہ کرنا یا تبدیلی کرنا ایک بہت بڑا جرم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان لگانے کا عمل ہے، جسے قرآن مجید نے شرک اور آیات الٰہی کی تکذیب جیسے سنگین جرائم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ لوگ بہت نیک نیتی کے ساتھ دین میں اضافے اور تبدیلی کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ایمانیات اور عبادات میں اجتہاد نہیں ہو سکتا۔ یہی دین کا بنیادی اصول ہے۔

نعیم احمد بلوچ

# حیاتِ امین

## (سوانح مولانا امین احسن اصلاحی)

(12)

[صاحب ''تدبر قرآن'' کی وصیت کے مطابق
ان کے سوانح نگار نعیم احمد بلوچ کے قلم سے]

مولانا مودودی ان دنوں پٹھان کوٹ میں تھے اور ان کا مذکورہ پیغام پٹھان کوٹ ہی میں آنے کے لیے تھا۔ وہاں دارالسلام کے نام سے جماعت اسلامی کا وسیع و عریض مرکز تھا۔

اس مرکز کی تاریخ یہ ہے کہ یہ زمین ایک مُخَیَّر شخص چودھری نیاز علی ریٹائرڈ ایس ڈی او انہار کی ملکیت تھی۔ وہ علامہ اقبال سے بہت متاثر تھے۔ انھی کے نَہج پر وہ اسلام کی علمی تشکیلِ جدید میں تعاون کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی ستر ایکڑ زمین اس کے لیے وقف کر دی تھی۔ اس پر ایک مسجد، تعلیم گاہ اور ہاسٹل کی طرز پر رہایشی عمارتیں تعمیر کرا دیں۔ علامہ اقبال سے کہا کہ وہ یہاں پر علما کو سہولتیں مہیا کریں اور جو چاہتے ہیں، وہ کام کریں۔

چودھری نیاز صاحب سے علامہ اقبال نے کہا کہ سید ابوالاعلیٰ مودودی اس کام کے لیے بہت موزوں ہیں۔ یوں ان بزرگوں کے درمیان گفت و شنید کے بعد، مارچ 1938ء میں مولانا مودودی

حیدر آباد سے پٹھان کوٹ آ گئے۔ اب یہ جماعت اسلامی کا مرکز تھا اور اسے مولانا مودودی نے 'دارالسلام' کا نام دیا۔ یہ بستی نہر کے کنارے درختوں میں گھری ہوئی ایک دل فریب دیہاتی منظر پیش کرتی تھی۔ البتہ، یہاں شہری سہولتوں کا نشان تک نہ تھا۔ نہ بجلی، نہ ذرائع آمد و رفت۔ اور مولانا مودودی نے مولانا اصلاحی کو یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

یقیناً اس کے لیے دونوں بزرگوں میں خط کتابت رہی ہو گی، لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ نہیں۔ خود مولانا اصلاحی کے ہاں اس طرح کا کوئی اہتمام نہ تھا کہ وہ لوگوں کے خطوط جمع کرتے۔ اس حوالے سے وہ بہت قلندرانہ مزاج رکھتے تھے۔ انھوں نے کم ہی کسی کے خط کا ریکارڈ رکھا تھا، مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ مولانا مودودی کے خطوط کے متعدد مجموعے چھپ چکے ہیں، لیکن مولانا اصلاحی کے نام خاص اس معاملے میں ان کا کوئی خط دستیاب نہیں ہو سکا۔

## پٹھان کوٹ جانے میں تحفظات

مولانا اصلاحی اس دعوت کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"مولانا مودودی صاحب کے لمبے لمبے خطوط آنا شروع ہو گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ یہاں مدرسۃ الاصلاح میں جو کام بھی کریں گے، وہ بہت محدود پیمانے پر ہو گا، جب کہ مسلمانوں کو اس وقت آپ کے پورے کام کی ضرورت ہے۔ آپ کے لیے یہی مناسب ہے کہ یہاں منتقل ہونے کی کوشش کریں۔ اور اس کے بعد انھوں نے دلائل دینے شروع کر دیے۔ اب دلائل دینے کے معاملے میں تو ان کی قوت استدلال کو میں مانتا ہوں۔ ان کے جواب میں، میں مختصر طریقے سے لکھ دیتا کہ یہ مشکل ہے، یہ مشکل ہے۔ مدرسے کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ مگر وہ مجھے احساس دلاتے اور واقعہ ہے کہ میں بھی سوچتا کہ یہاں کے حالات تو کام کے لیے بالکل سازگار نہیں۔ سمجھ گئے آپ؟ یہاں جو لوگ کرتا دھرتا تھے مدرسے میں، وہ میرے کسی کام کے نہیں تھے۔ کچھ تو مجھ سے مخلص ہی نہیں تھے۔ ایک اور خیال یہ بھی رہا کہ اگر یہاں مدرسے میں کوئی کام شروع بھی کیا تو دارالمصنفین سے رقابت ہونا لازمی ہے۔ میں سید (سلیمان ندوی) صاحب سے اس حوالے سے یہ اندیشہ محسوس کرتا تھا۔ ان کی طبیعت میں تھی یہ بات... لیکن اس کے باوجود میں نے مودودی صاحب کو جواب دیا کہ محدود کام ہو گا

تو کیا مضائقہ ہے؟ میں یہ محدود کام ہی تو کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی مولانا فراہی کی فکر کو مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ اور یہ کوئی عوامی کام تو ہے نہیں اور مجھے اس کی کوئی پروا بھی نہیں تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں دل سے مدرسے کی فضا کے باعث خوش نہیں تھا۔ میں نے آخر کہہ دیا کہ مجھے غور کرنے دیں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی اصولی طور پر تو پٹھان کوٹ جانے پر راضی ہو چکے تھے، مگر اب اس فیصلے میں حائل رکاوٹوں اور مسائل کو دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بچوں کے حوالے سے کہا:

"میں اگر بہت دور چلا گیا تو بچے اس دوری کو محسوس کریں گے۔ اگرچہ اس وقت وہ اپنی پھوپھیوں کے ساتھ مانوس ہو چکے ہیں، لیکن میرا دور جانا ان کے لیے مناسب نہ ہوگا۔"

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ 1944ء میں رمضان المبارک کی 18 تاریخ کو مولانا اصلاحی کی پہلی اہلیہ محترمہ رابعہ وفات پا چکی تھیں۔ اور اس سانحہ کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ ان کے کم عمر بچوں کو نگہداشت کی ضرورت تھی۔ یاد رہے، مولانا کی پہلی شادی 1923ء میں اپنے عزیزوں ہی کے ہاں ہوئی تھی اور اُن سے ان کے پانچ بچے تھے۔ مولانا مودودی نے اس رکاوٹ کو تسلیم کیا اور مولانا کو مشورہ دیا کہ آپ بچوں سمیت یہاں منتقل ہو جائیں۔ ان کے لیے تعلیم و تربیت کا مناسب بندوبست ہو جائے گا۔ آپ ہرگز تَرَدُّد نہ کریں۔ جلد فیصلہ کریں۔ کام بہت پھیل گیا ہے۔ یہ میرے اکیلے کا کام نہیں رہ گیا۔ جب مولانا مودودی نے ذاتی طور پر اپنی مدد کے لیے انھیں آنے کی درخواست کی تو مولانا نے ہتھیار ڈال دیے اور فیصلہ مولانا مودودی کے حق میں کر دیا۔ اس سارے واقعے کو ان الفاظ میں سمیٹ دیا:

"بالآخر یہی ہوا... میں وہاں سے سفر کرنے روانہ ہو گیا... چھوڑ دیا میں نے... پٹھان کوٹ آ گیا۔"

## پٹھان کوٹ منتقل ہونے کی اصل وجہ

یہاں ہم رک کر جائزہ لیتے ہیں کہ:

☆ کیا یہ فیصلہ محض مروت میں ہوا؟

☆ کیا مولانا اصلاحی نظریاتی طور پر مولانا مودودی سے اس قدر متفق ہو چکے تھے کہ یہ ان کی

دینی ذمہ داری بن چکی تھی کہ پٹھان کوٹ جا کر غلبۂ دین کی اس تحریک کا دست و بازو بنیں۔ اور ”مدرسۃ الاصلاح میں ایک لمحہ بھی گزارنا خلاف حکمت تھا۔“؟

☆ مولانا اصلاحی اصلاً ایک عالم دین تھے۔ ان کے پیش نظر پہلے اپنے استاد کے غیر مطبوعہ کام کو اردو اور عربی، دونوں زبانوں میں شائع کرنا تھا۔ انھیں یہ احساس تھا کہ اس کام کو کرنے کی اصل ذمہ داری انھی پر ہے، کیونکہ کوئی دوسرا نہ اس کی اہلیت رکھتا ہے اور اور نہ اس کا داعیہ۔ لیکن مدرسۃ الاصلاح میں ایسا ماحول پیدا ہو چکا تھا کہ وہ یہ کام یہاں رہ کر انجام نہیں دے سکتے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ انھیں پٹھان کوٹ جانے کی جو دعوت ملی ہے، اسے قبول کر لیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں کام کرنے کے بہتر مواقع مل جائیں۔ مولانا مودودی صاحب اگرچہ ان کے معیار کے مطابق عالم دین تو نہیں، لیکن علم و دانش کے حامل ہیں۔ ان کی بہت قدر و منزلت کرتے ہیں۔ اور پھر ذاتی طور پر بھی انھیں مدد کے لیے کہہ چکے ہیں۔ اگرچہ انھیں امام فراہی کے فکر سے آگہی ہے اور نہ اسے وہ کچھ زیادہ اہمیت دیتے ہیں، لیکن وہ اس اصول کے ضرور قائل ہیں کہ قرآن کی حکومت تمام علوم پر ہے اور اسے خارج سے نہیں داخل ہی سے سمجھا جائے گا۔ وہ ان کی طرح تقلید سے بھی سخت بے زار ہیں۔ یہ اتفاق اکٹھے کام کرنے میں بہت معاون ہو گا۔

جہاں تک پہلے نکتے کا تعلق ہے، مولانا ایک حد تک ہی مروت کے قائل تھے۔ بس اس حد تک جہاں دین اس کی اجازت دیتا اور اسے مستحب سمجھتا ہے، لیکن جہاں حق باطل ہو جائے اور باطل حق ہو جائے، وہاں وہ اس کے قطعی طور پر قائل نہیں تھے۔ مولانا کی پوری زندگی اگرچہ اس اصول کی گواہی دیتی ہے، لیکن یہاں صرف ایک شہادت پیش کی جاتی ہے۔ ہم ان کے اُس انٹرویو کا ایک اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں جو انھوں نے مولانا مودودی کی وفات کے بعد جناب سلیم منصور صاحب کو دیا۔ سلیم منصور صاحب جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ مولانا اصلاحی سے پوچھ رہے ہیں کہ آپ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے اس قدر ناقد کیوں ہیں؟ اس کے جواب میں انھوں نے کہا:

> ”واقعہ یہ ہے کہ ایسی ناز برداری انھوں نے (یعنی مولانا مودودی) نے فقط میری ہی کی۔ حالات و واقعات کے تمام اُتار چڑھاؤ کے باوجود، آج تک اس چیز کی میرے دل میں بڑی قدر ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ کسی کی ایسی ناز برداری تو اس کی بیوی اور اس کے بچے بھی نہیں کر سکتے۔ پھر یہ بھی ہے

کہ میری سخت سے سخت تنقید اور کڑے سے کڑے تبصرے کا، انھوں نے مجلس شوریٰ، اجتماعی یا انفرادی ملاقات تک میں مجھے کبھی دوبدو جواب نہیں دیا، بلکہ کم سے کم الفاظ اور نرم سے نرم لہجے میں جواب دینے کی کوشش کی... میں سوچتا ہوں کہ اگر میں کسی کے ساتھ ایسا حسنِ سلوک کرتا اور وہ جواب میں میرے ساتھ ایسا رویہ اختیار کرتا تو میرے لیے اس کے ساتھ سلسلۂ کلام تک برقرار رکھنا مشکل اور سماجی تعلق کو نبھانا ناممکن ہو جاتا، لیکن مودودی صاحب نے طویل عرصے تک بڑی ثابت قدمی سے رفاقت اور دوستی کے اس تعلق کو نبھایا، لیکن جب میرے سامنے یہ دوراہا آیا کہ ایسے نازبردار اور شفیق دوست کا ساتھ دوں یا جس چیز کو درست سمجھتا ہوں اسے منتخب کروں تو لامحالہ میں نے پہلی چیز کی قربانی دی اور دوسری چیز کا انتخاب کیا۔"

اسی انٹرویو میں انھوں یہ بھی بیان کر دیا کہ ان کے اور مولانا مودودی کے درمیان اصل قدر مشترک کیا تھی؟ چنانچہ انھوں نے سلیم منصور صاحب کو بے لاگ طریقے سے بتایا:

"مولانا مودودی مرحوم اور میرے درمیان ایک قدر مشترک بھی موجود تھی۔ اور وہ یہ کہ تقلید و تنقید سے میں بھی آزاد تھا اور تقلید اور تنقید سے وہ بھی آزاد تھے۔ بعد میں جماعتی مصالح کے تحت انھوں نے نجانے کتنی بیڑیاں پہن لیں اور ان سب مسائل کے ایک ایک کر کے قائل ہو گئے جن کا ہم پٹھان کوٹ میں مذاق اڑایا کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے میں میرے اور ان کے سوچنے کے انداز میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ دینی معاملات پر ہم دونوں ایک ہی طرز پر سوچتے تھے، یعنی قرآن مجید پر اس طرح غور کیا جائے، فقہ پر اس طرح سے غور ہونا چاہیے، علما کو اس راستہ پر لایا جائے اور لوگوں کو یوں تبدیل کیا جائے۔ ان تمام مسائل میں میرے اور ان کے سوچنے کا انداز تقریباً ایک ہی تھا۔ تاہم اس قدرِ مشترک کے علاوہ میرے اور ان کے درمیان ایک نہایت گہرا ذوق اور فکر کا اختلاف بھی تھا۔ مولانا حمید الدین کی فکر سے نہ ان کو دل چسپی تھی نہ یہ کام ان کے بس کا تھا۔ تاہم یہ اختلاف ایسا نہیں تھا کہ میں ان سے تعاون نہ کر سکوں۔ چنانچہ جماعت سے میرا جو تعلق قائم ہو گیا تھا، میں نے اسے قائم رکھنا چاہا، اِلّا آں کہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ میرے لیے اس تعلق کو برقرار رکھنا ناممکن ہو جائے۔" (سہ ماہی تدبر، اپریل 1998ء، 47-48)

یہ حالات کب اور کیسے پیدا ہوئے، یقیناً اپنی جگہ پر ہم ان عوامل کا تفصیل سے جائزہ لیں گے، البتہ یہاں ہم ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی کرنا چاہیں گے۔

کیا مولانا اصلاحی جماعت اسلامی کے بنیادی مشن سے متفق تھے؟

عام طور پر غیر ضروری طور پر یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ کسی دینی کام میں شریک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شرکا ایک دوسرے سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔ یہ نقطۂ نظر عدم رواداری کا بدترین مظہر ہے کہ مل کر کام کرنے کے لیے مکمل فکری ہم آہنگی ضروری ہے۔ اسی لیے عام چلن یہی ہے کہ ذرا سا اختلاف بھی گوارا نہیں کیا جاتا اور اختلاف کو مخالفت سمجھ لیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں کے اکثر فرقے اسی رویے کی بنیاد پر وجود میں آئے ہیں۔

یہی معاملہ یہاں بھی ہے کہ مولانا اصلاحی کے جماعت اسلامی میں شریک ہونے کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ وہ جماعت کے بنیادی مشن اور فلسفے سے مکمل طور پر متفق تھے تو اس میں شامل ہوئے۔ یہ خلاف حقیقت تاثر خود مولانا مودودی کو بھی تھا۔ وہ بھی غالباً پورے اخلاص سے یہ سمجھتے تھے کہ مولانا اصلاحی ان کی رائے کے قائل ہیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہ تدریج یہ واضح ہو گیا کہ ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ اول تو خود مولانا اصلاحی کے درج بالا بیان سے اس شدید غلط فہمی کا ازالہ ہو جانا چاہیے، لیکن ہم یہاں ایک اہم دستاویز کا حوالہ دینا چاہیں گے تاکہ ٹھیک جماعت اسلامی کے مشن کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ مولانا اصلاحی اس سے کس حد تک متفق تھے۔

جب مولانا اصلاحی پٹھان کوٹ چلے آئے تو مدرسۃ الاصلاح والوں کو شدید احساس محرومی ہوا کہ انھوں نے کیا کھو دیا ہے۔ مدرسے کے مہتمم جناب حاجی رشید الدین نے مولانا مودودی کو دسمبر 1944ء میں ایک خط لکھ کر التجا کی کہ ہم مولانا اصلاحی کے بغیر کچھ بھی نہیں ہیں۔ وہ تو مدرسے کے روح رواں تھے، اس لیے میری تجویز ہے کہ وہ چھ ماہ آپ کے پاس رہیں اور چھ ماہ مدرسۃ الاصلاح میں۔ اس کے جواب میں مولانا مودودی نے لکھا کہ یہ ممکن نہیں۔ اور اس کے ساتھ انھوں نے دعویٰ کیا کہ مولانا اصلاحی ان سے کاملاً اتفاق کرتے ہیں۔ ہم یہاں مولانا مودودی کے خط کے ضروری مندرجات نقل کرتے ہیں:

> ”مولانا امین احسن صاحب کا تعلق مدرسۃ الاصلاح سے فی الواقع ویسا ہی اُستوار تھا جیسا جناب نے تحریر فرمایا ہے اور فی الحقیقت دو تین سال پہلے تک وہ خود بھی اس بات کا تصور نہ کر سکتے تھے کہ کبھی ان کا اور مدرسے کا یہ تعلق ٹوٹ بھی سکتا ہے، لیکن اپنے مدت العمر کے مطالعۂ کتاب و سنت سے ہم لوگوں پر دین کی جو حقیقت کھلی ہے اور اس کے مطالبات و مُقتَضیات کا جو علم

حاصل ہوا ہے، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ہمیں اپنے عزیز ترین اور مُحکم ترین تعلقات کو بھی دل پر پتھر رکھ کر صرف اس وجہ سے توڑنا پڑا ہے کہ دین کی خدمت کا جو راستہ ہمارے سامنے واضح ہو چکا ہے، اس پر چلنے کے لیے آزاد ہو جائیں۔ ہم اب اس چیز سے بالکل مطمئن نہیں ہیں کہ خدا سے پھری ہوئی اس دنیا میں بس کچھ لوگ خدا اور اس کے دین کا نام لینے والے موجود رہیں اور کفر سے مغلوبیت کی حالت میں جتنی گنجائش دین کے لیے رہ جائے اس کو کچھ اپنے مذہبی اعمال و اقوال سے پُر کرتے رہیں۔

ہمارے نزدیک یہ صورت حال نہ تو دینِ حق کو گوارا ہے اور نہ اس میں سچی دین داری زیادہ مدت تک زندہ رہ سکتی ہے۔ مگر ہمارے یہ مذہبی مدرسے جو آج بھی ملک میں قائم ہیں زیادہ سے زیادہ بس یہی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ اس سے آگے کے لیے کچھ کرنے کی ان میں گنجایش نہیں۔ اسی لیے جہاں ہم موجودہ صورت حال سے غیر مطمئن ہیں ان مدارس سے بھی ہمارا اطمینان اٹھ گیا ہے۔ اور ان میں کام کرنے کو ہم اپنے وقت اور اپنی قوتوں کا ضیاع سمجھتے ہیں۔ ہمارے سامنے ایک مقصد واضح طور پر آ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا دین غالب ہو اور کفر و کفار اس سے دب کر رہیں۔ 'حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّ ہُمۡ صٰغِرُوۡنَ' (التوبہ 9:29) اس مقصد کے لیے ہم نے خوب سوچ سمجھ کر جو طریقہ اختیار کیا ہے، اس پر عمل کرنے میں ہم اپنی تمام قوت صرف کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کے سوا کسی دوسرے کام میں، خواہ وہ بجائے خود کتنا ہی نیک کام ہو۔ اپنا ایک لمحہ بھی صرف کرنا ہمیں کَھلتا ہے کیونکہ جس وقت کو اس مقصدِ عظیم کی خدمت میں صرف ہونا چاہیے اسے فروتر کاموں میں صرف کرنا حکمت کے خلاف ہے۔ لہٰذا بہ حالاتِ موجودہ مولانا امین احسن صاحب کا آدھا وقت مدرسے کے لیے وقف کرنا، نہ تو میں گوارا کر سکتا ہوں اور نہ مولانا خود گوارا کریں گے البتہ جو چیز ہم چاہتے ہیں اگر مدرسۃ الاصلاح وہی ہوتا یا ہو سکتا تو آدھا وقت کیا معنی، پورا وقت دل و جان و مال سب کچھ اس کے لیے وقف ہو سکتا تھا۔" (سہ ماہی تدبر، جولائی۔ ستمبر 2024، 143)

اس خط میں مولانا محترم نے جس اِدّعا کا اظہار کیا ہے اور دینی مدرسوں پر جس درجے اور جس نوعیت کا عدم اطمینان کیا ہے، اس پر بہت کچھ کہا سنا جا سکتا ہے، لیکن یہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔ اس وقت ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ مولانا مودودی علیہ الرحمہ کا یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ

مولانا اصلاحی اور ان کے درمیان یہ فکری اتفاق ہو گیا کہ پوری دنیا میں غلبۂ اسلام کی جس تحریک کی ابتدا انھوں نے کی ہے، اس کا ناگزیر دینی تقاضا ہے کہ وہ مدرسۃ الاصلاح چھوڑ کر ان کے پاس چلیں جائیں۔ مولانا اصلاحی کے اپنے بیانات میں اس طرح کے فکری اتفاق کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ اس کے بالکل برعکس سورۂ توبہ کی مُحَولہ بالا آیت سے دنیا پر اسلام کے قبضے کے جس مشن کو وہ اسلام کا بیانیہ بنا کر پیش کر رہے ہیں، اس کے علی الرغم مولانا اصلاحی اس آیت کا یہ مفہوم لیتے ہیں:

”ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے، نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو حرام ٹھہراتے اور نہ دین حق کی پیروی کرتے، جنگ کرو تا آنکہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں۔“

یعنی ”ان اہل کتاب“ پر جن پر اللہ کے رسول نے اتمام حجت کی ہے، نہ کہ قیامت تک کے آنے والے اہل کتاب اور مشرکین پر۔ اسی لیے وہ اسی سورہ کی آیت نمبر 33 کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ:

”وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اس کو سارے دین پر غالب کر دے۔“

اس آیت کی تفسیر یہ کرتے ہیں:

”اس آیت کے مضمون کی وضاحت بقرہ آیت 192 اور انفال آیت 39 کے تحت بھی ہو چکی ہے۔ وہاں ہم نے بتایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ سرزمین حرم کفر و شرک کی ہر آلائش سے پاک ہو جائے اور دین حق کے سوا کوئی اور دین ”یہاں“ (یعنی جزیرۃ العرب میں) دینِ غالب کی حیثیت سے باقی نہ رہے تاکہ دعوت ابراہیمی کا یہ مرکز، دعاے ابراہیمی کے بہ موجب، تمام عالم کے لیے ہدایت اور روشنی کا سرچشمہ بن جائے۔ وہی بات یہاں فرمائی گئی کہ جس طرح یہ اہل کتاب اپنی پھونکوں سے خدا کے چراغ کو گل نہ کر سکیں گے، اسی طرح مشرکین عرب کی کوششیں بھی اس دین کو مغلوب نہ کر سکیں گی، بلکہ یہ ان کی تمام کوششوں کے علی الرغم اس سرزمین کے ہر دین پر غالب ہو کے رہے گا۔“ (تدبر قرآن 3/564)

اس کے بالکل برعکس، مولانا مودودی ان آیات کا ترجمہ ”تفہیم القرآن“ میں یہ کرتے ہیں:

”جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے اور

جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں کرتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں بناتے (ان سے لڑو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔''

اور آیت 33 کا ترجمہ ان کے نزدیک یہ ہے:

''وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

مولانا مودودی نے ''جنس دین'' لکھ کر واضح کر دیا ہے کہ وہ پوری دنیا پر اسلام کے غلبے کو اللہ کا حکم مانتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے اپنے خط میں بھی واضح کیا ہے۔

اس موازنے سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ:

مولانا اصلاحی کے نزدیک یہ حکم اس دور کے مشرکین اور اہل کتاب کے لیے ہے اور سارے ادیان سے مراد جزیرۃ العرب کے ادیان ہیں۔ اس کا تعلق موجودہ اہل کتاب اور مشرکین پر ہرگز نہیں کیونکہ ان پر اللہ کے رسول نے براہِ راست اتمام حجت نہیں کیا۔ چنانچہ رسالت کے قانون کا اطلاق موجودہ غیر مسلمین پر نہیں ہوتا۔ تفصیل کے طالب مولانا اصلاحی کے حوالے کے مطابق سورۃ البقرہ اور سورۃ الانفال کی متذکرہ آیات ملاحظہ کر سکتے ہیں، جب کہ مولانا مودودی کے نزدیک اس سے مراد قیامت تک کے آنے والے مشرکین اور اہل کتاب ہیں اور اس وقت کے ادیان ہی نہیں، بلکہ دنیا کے جتنے بھی ادیان ہیں، ان پر غلبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہے۔ اور ان کی جماعت اسلامی اسی ''ادھورے'' مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ یاد رہے کہ یہی مقصد اخوان المسلمون، القاعدہ، داعش سمیت تمام جہادی تنظیموں کا ہے۔ اس میں صرف طریقۂ کار کا اختلاف ہے، لیکن جہاں تک مقصد کا تعلق ہے وہ سو فی صد یہی ہے۔

یہاں ہم ان دو نقطۂ نظر کا علمی تقابل نہیں کر رہے، بلکہ صرف اس امر کا اظہار کر رہے ہیں کہ مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کے درمیان یہ بہت بڑا فکری اختلاف تھا، جس کے ہوتے ہوئے بھی مولانا اصلاحی نے حالات کی نزاکت، ایک اصولی اتفاق اور ایک خیر خواہ دوست کے اصرار پر یہ دعوت قبول کی تھی۔

[باقی]

## خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

# وادیِ کشمیر

اب یہاں رنگ بہاراں ہے جوانوں کا لہو
سرخ رو ہیں وادیِ کشمیر میں کوہ و دمن
سر برہنہ بیٹیوں کے پیرہن بکھرے ہوئے
مرثیہ خواں ہر در و دیوار پر مرغِ چمن

---

موسمِ گل زرد پتوں کی ردا پہنے ہوئے
ڈھونڈتا ہے دخترِ گل مرگ کا عہدِ شباب
آبجوؤں کا ترنم نوحۂ غم کی صدا
سرفگندہ وادیوں میں آبشاروں کے رباب

---

چھوڑ جاتی ہے اِدھر بھی وادیِ نیلم کی رات
ہر طرف بارود گولوں کی تباہی کے نشاں

ہند کے اربابِ دانش اب بھی سنتے ہوں اگر
آگ میں جھلسے ہوئے معصوم بچوں کی فغاں

---

پوچھیے اُن سے کہ جمہوری سیاست ہے یہی!
عہدِ حاضر میں بھی آزادی کی قیمت ہے یہی!

گفتگو: محمد حسن الیاس

سوالات: نجم سہروردی

تدوین و ترتیب: رانا معظم صفدر

# پاکستان، امریکہ اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ

## جناب محمد حسن الیاس سے ایک انٹرویو

(3)

["غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، امریکہ" کے ڈائریکٹر ریسرچ اینڈ کمیونیکیشن اور "اشراق امریکہ" (آڈیو) کے مدیر محمد حسن الیاس صاحب گذشتہ دنوں پاکستان گئے تو "آف دا اسکول" پوڈکاسٹ کے میزبان نجم سہروردی نے اُن کا ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اِس انٹرویو میں اُن سے پاکستان اور مسلمانوں کو درپیش مختلف مسائل پر سوالات کیے گئے۔ حسن الیاس صاحب نے اُن کے جواب میں پوری وضاحت سے اپنے موقف کو پیش کیا۔ یہ انٹرویو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اِسے ضروری ترتیب و تدوین اور حک و اضافے کے بعد "اشراق امریکہ" کے قارئین کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔]

# پاکستان اور امریکہ کے 'Dream' کا فرق

سوال: پاکستان کو اگر ہم امریکہ کے تناظر میں دیکھیں تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ 'American Dream' کی طرح 'Pakistani Dream' بھی کوئی حقیقت رکھتا ہے؟

جواب: اس میں تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ 'Pakistani Dream' موجود ہے، اور نہ صرف موجود ہے، اسے جان کر آپ کو 'American Dream' اس کے سامنے ہیچ لگے گا۔ آپ میری بات پر حیران نہ ہوں، میں آپ کو اس کے حوالے سے کچھ دل چسپ بات بتاتا ہوں جو ہمارے ایک دوست نے ہمیں بتائی۔ وہ ایک مشہور مذہبی اسکالر ہیں، اور دنیا بھر میں ان کا رابطہ رہتا ہے۔ انٹرنیٹ کی کچھ بڑی کمپنیوں کے CEOs کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی۔ انھوں نے ہمارے دوست کو بتایا کہ اسلامی ورلڈ، بالخصوص ہمارے اس خطے کے لوگ انٹرنیٹ پر جو چیز سب سے زیادہ search کرتے ہیں، وہ علاماتِ قیامت ہیں اور نزول مسیح اور امام مہدی کی آمد ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارے ہاں جو 'Dream' پایا جاتا ہے، ایسا تو پوری دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ پوری دنیا پر غلبے کا خواب؛ وہ بھی پوری آب و تاب کے ساتھ۔

سوال: اس طرح کی نوید اور انتظار کی امید تو ہمیں دوسرے مذاہب میں بھی ملتی ہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بالکل اسی طرح کسی مسیحا کے منتظر ہیں اور پھر دنیا بھر پر حکومت کے ارادے میں ہیں۔ آپ اس میں کیا فرق دیکھتے ہیں؟

جواب: بالکل ایسا ہے، لیکن ایک واضح فرق کے ساتھ۔ وہ فرق یہ ہے کہ وہ لوگ اس انتظار میں اپنا آج برباد نہیں کر رہے، جب کہ ہمارے ہاں محض انتظار ہے، اور اس انتظار میں ہم لوگ اپنا آج ہر ہر سطح پر قربان کر رہے ہیں۔ ہمارے لوگ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہم دنیا کے ذہین ترین لوگ ہیں۔ اور فخر کی اس نفسیات میں جی رہے ہیں کہ اس وقت دنیا نے جتنی بھی ترقی کی ہے اور جتنی بھی ایجادات کی ہیں، وہ سب ہمارے بزرگوں کی کتابوں سے علم چرا کر کی ہے۔ ہم کوئی عام قوم نہیں ہیں، ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے پہلے بھی ہزار سال دنیا پر حکومت کی ہے، اب دوبارہ دنیا کے اسٹیج پر ہمیں ہی قابض ہونا ہے، اور باقی دنیا ہمارے باج گزار بن کر رہیں گے۔ یہ ہے وہ خواب جو پاکستان میں دکھایا جاتا ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ یہ خواب دنیا، حقیقت، فطرت کے مسلمات اور مسلمہ تاریخی حقائق کے برخلاف ہے۔ ہم لوگ مفتوح قوم ہیں، اور اس درجے میں مغلوب ہیں کہ عالمی طاقتوں نے ہمیں بس زندہ رہنے کی اجازت دی ہے۔ ساتھ میں وہ طاقتیں ہمیں گاہے گاہے یہ احساس بھی دلاتی رہتی ہیں کہ تم غلام ہو اور غلامی میں جینے کے آداب سیکھ لو۔

سوال: جو کرب ناک صورت آپ نے بیان کی ہے، اس میں زندہ رہنے کے لیے اپنی امیدوں اور شان دار ماضی کی یاد کو ملا کر ایسے فلسفے گھڑنا تو پھر مجبوری ہے جن سے نشاطیہ کیفیات میسر رہیں۔ کیا آپ کو نہیں لگتا ہے کہ ہم لوگ اس کیفیت میں جی رہے ہیں اور ایسے فلسفوں میں الجھے ہوئے ہیں؟ عین ممکن ہے یہیں سے نشاۃ ثانیہ کے دور کا آغاز ہو جائے۔

جواب: اس پر کیا روک لگائی جاسکتی ہے کہ اگر لوگ اپنے نشاط کے لیے موہوم خیالات میں رہنا چاہیں، بے شک رہیں، لیکن اس سے عملاً کیا حاصل ہو گا؟ اس کے بجاے اگر وہ حقائق کی دنیا میں آئیں، اپنی منزل کا تعین کریں اور اس کی طرف سفر کا آغاز کریں۔ لاحاصل نشاط کے بجاے اُس نشاط کی طرف بڑھیں جس میں کچھ حاصل بھی ہو، ورنہ کیا ہو گا، وہ ہمیشہ دائرے کا سفر کرتے رہیں گے اور غلامی کی چکی میں پستے رہیں گے۔

اس کی عملی مثال میں، آپ ملائیشیا اور ترکی کو دیکھ سکتے ہیں۔ کبھی یہ ملک بھی وہیں کھڑے تھے جہاں آج پاکستان کھڑا ہے، لیکن انھوں نے اپنے حالات پر غور کیا اور اپنی داخلی تعمیر و ترقی کو ٹارگٹ کیا اور نتیجتاً وہ غلامی سے نکل گئے، اور بہتر حالات میں آ گئے، جب کہ ہم لوگ کیا کر رہے ہیں، اپنے نشاط کے لیے خواب دیکھ رہے ہیں، اور وہ خواب بھی تعمیر اور ترقی کے نہیں، بلکہ جامع مسجد دہلی اور لال قلعے پر پرچم لہرانے کے؛ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد گرم پانیوں سے گزر کر امریکہ پر قبضے کے؛ اور پھر خلافت کے احیا کے خواب۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نشاط کے لیے کیا حسین خواب ہیں۔

سوال: اس صورت حال سے تو ایسا لگ رہا ہے کہ یہ شعر ہمارے لیے کہا گیا ہے:

مسئلے زیست کے ایسے بھی تھے جو حل نہ ہوئے
نیند پوری نہ ہوئی، خواب مکمل نہ ہوئے

ایک طرف یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف لوگ ہم سے خفا ہوتے ہیں کہ آپ پاکستان

پر بہت تنقید کرتے ہیں، اور امید کی کوئی بات نہیں کرتے، مثبت باتوں کا ذکر نہیں کرتے؟ اس پر آپ کیا کہیں گے؟

جواب: دیکھیے، ڈاکٹر جب کسی مریض کو دیکھے گا اور اس کے مرض کی سنگینی سے آگاہ ہونے کے بعد اگر اس کو غلط امید دے گا تو ایسا کر کے وہ مریض کے ساتھ زیادتی کرے گا۔ ایسے میں اس کا فرض یہی ہے کہ مریض کو مرض کی سنگینی سے آگاہ کرے تاکہ وہ اس مرض سے چھٹکارا پا سکے۔ بالکل اسی طرح، کسی قوم میں پائے جانے والے امراض کی اگر نشان دہی نہیں کی جائے گی، اور اس کے لحاظ سے اس کا علاج تجویز کر کے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا تو کیا یہ قوم کے ساتھ ہم دردی ہو گی یا دشمنی؟ اب اگر ہم اپنی قوم کی بات کریں تو ہماری قومی تعمیر کے اندر کچھ خرابیاں مضمر ہیں۔ ان خرابیوں کو ٹھیک کرنے کے لیے ہمیں پہلا قدم اٹھانا ہے۔ اور وہ تبدیلی کا قدم ہے، اس کے بعد ہی ہماری ترقی کے سفر کا آغاز ہو گا۔

آپ ذرا ہمارے المیے کا اندازہ کیجیے کہ ہمارے ہاں لوگ آج بھی اس بحث میں پڑے ہوئے ہیں کہ پاکستان کیوں بنا؟ بننے کے بعد سے آج ستر سال ہو گئے ہیں، تعمیر و ترقی اور لائحۂ عمل تو ایک طرف لوگ اسی بحث سے آگے نہیں بڑھتے کہ ہم بنے کیوں تھے؟ کچھ زور لگا کر اس طرف کھینچ رہے ہوتے ہیں کہ 'پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الاّ اللہ' اور کچھ زور لگا کر اس کے مقابل میں قائد اعظم کی تقریر پیش کرتے ہیں کہ ہم تو ایک سیکولر اسٹیٹ بنے تھے۔ اور دل چسپ بات یہ ہے کہ دونوں اپنی اپنی طرف کے دلائل رکھتے ہیں، اور دوسرے موقف کو نہ ماننے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ یعنی پاکستان ایک مذہبی اسٹیٹ ہے یا قومی اسٹیٹ؟ یہ ایک دائرہ ہے، جس کا لوگ مسلسل سفر کر رہے ہیں۔

اسی طرح اور ایک دائرہ جس میں لوگ محوِ سفر ہیں، وہ ہے سول ملٹری کشمکش کا۔ ہمارے ہاں سیاست دان موجود ہیں، انتخابات کا طریقہ موجود ہے، جمہوریت موجود ہے، لیکن اس سارے کو جس طریقے سے چلنا چاہیے، ویسے نہیں چل رہا۔ اس میں ایک موقف تو واضح ہے کہ جمہوریت ہو اور وہ سادہ طریقے سے چلتی رہی اور حکمران لوگوں کی راے اور مرضی سے بدلتے رہیں، لیکن دوسری طرف ایسا طبقہ موجود ہے جو کہتا ہے کہ ملک ان لوگوں کے حوالے کر دیں جو سورۂ اخلاص نہیں پڑھ سکتے، جن کو اسمبلی میں تقریر کرنا نہیں آتی، یہاں سے ملٹری اسٹبلشمنٹ کی مداخلت

ہوتی ہے۔ آپ دیکھیے، دنیا جن معاملات میں ایک سفر طے کر چکی ہے، تجربات سے گزر چکی ہے، وہ ہمارے لیے لائق اعتنا ہی نہیں ہیں۔

ان حالات میں کیا امید کی بات کریں۔ کیا یہ کہ پاکستان اگلے چند سالوں میں ایشین ٹائیگر بن جائے گا، یہ عالم اسلام کا قلعہ ہو گا، اور یہاں سے خلافت کا احیا ہو گا۔ میں سچائی کا طالب علم ہوں، اور ہمارے ملک کو جس قدر گہرے اور بڑے امراض لاحق ہیں، اس کے لیے Cosmetic change کی نہیں، بلکہ treatment کی ضرورت ہے۔ یہ تو آپ بھی جانتے ہیں کہ گٹر کے اوپر مخمل کا کپڑا رکھ دینے سے وہ بظاہر چھپ سکتا ہے، لیکن اس کی گندگی اور تعفن موجود رہتا ہے۔

**سوال:** اگلے سوال سے پہلے، یہاں میں موضوع سے ہٹ کر ایک چیز پوچھنا چاہوں گا کہ ہمارے اس پروگرام میں ایسے مہمان بھی آتے ہیں جن کے پاس بہت نالج ہوتا ہے، لیکن وہ گفتگو میں ادھر ادھر نکل جاتے ہیں، آپ کی گفتگو بہت مرتب اور مربوط ہوتی ہے، کیا آپ تقریری مقابلوں میں حصہ لیتے رہے ہیں؟

**جواب:** میں سمجھتا ہوں کہ گفتگو کا تعلق ہمیشہ ہمارے خیالات کی clarity کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے جن لوگوں کے ساتھ وقت گزارا، انھوں نے جو ایک چیز ہمیں سکھائی ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے خیالات کو بہتر کریں۔ خیالات جتنے واضح ہوں گے، اظہار اتنا ہی سدید ہو جائے گا۔ ایک پہلو تو یہ ہے۔ دوسرا پہلو ہے زبان۔ زبان سے ہمیں محبت ہے۔ اردو زبان کے ساتھ ہم جیتے مرتے ہیں۔ زبان اصل میں ہمارے خیالات کا قالب بنتا ہے۔

[باقی]

شاہد محمود

# خبر نامہ ''المورد امریکہ''

## [اگست 2024ء]

### ''تنقیدات''

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ''تنقیدات'' کے عنوان سے جاوید احمد غامدی صاحب پر مختلف حلقوں کی جانب سے ہونے والی تنقیدات کو جمع کر کے ادارے کی ویب سائٹ پر شائع کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ تنقیدات متفرق تحریروں، کتب اور وڈیوز کی صورت میں جمع کی گئی ہیں۔ اب تک تقریباً 220 متفرق تحریریں، کتب اور وڈیوز کو غامدی سینٹر کی ویب سائٹ پر اپ لوڈ کیا جا چکا ہے، جن میں تصوف، کلام، سیاست و اقتصادیات، فلسفہ و سائنس، علمیات و اصول، فقہ و قانون، تفسیر و حدیث اور زبان و ادب کے دائروں کی تحریریں اور ویڈیوز شامل ہیں۔

### ''اجماع''

23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز میں ''حدیث کیا ہے؟'' کے تمام بنیادی مباحث اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات اور سوالات پر سیر حاصل گفتگو کے بعد ''اجماع'' کے عنوان سے ایک نئی بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔ گذشتہ ماہ اس موضوع کی ایک نشست منعقد ہوئی، جس میں اجماع کے لغوی اور اصطلاحی معنی، اجماع کا پس منظر اور اس کی ضرورت کے حوالے سے بات کی گئی۔ یہ

ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہے۔

## ''ہیومن مِلک بینک اور رضاعت—غامدی صاحب کا موقف''

سید منظور الحسن صاحب کا یہ مضمون پاکستان میں قائم ہیومن مِلک بینک کے قیام پر جناب حسن الیاس اور غامدی صاحب کے درمیان مکالمے سے ماخوذ ہے۔ اس مضمون میں ہیومن مِلک بینک پر علما کی جانب سے کیے جانے والے اس بنیادی سوال کو زیر بحث لایا گیا ہے کہ کیا ایسے بینک کا جمع کیا ہوا دودھ پلانے پر رضاعت کے احکام کا اطلاق ہو گا اور نتیجتاً دودھ فراہم کرنے والی تمام خواتین رضاعی مائیں قرار پائیں گی؟ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ دودھ پلانے والی کوئی خاتون تب تک رضاعی ماں کا مقام حاصل نہیں کر سکتی، جب تک یہ اقدامات نہ ہو جائیں کہ بچہ دودھ پینے کی عمر میں ہو، خاتون رضاعی ماں کے طور پر اسے دودھ پلانے کا فیصلہ کرے، اس مقصد کے لیے وہ اسے اپنی آغوش میں لے، پھر اسے اپنی چھاتیوں سے براہِ راست دودھ پلانے کا سلسلہ شروع کرے۔ قارئین اس مضمون کو گذشتہ ماہ کے شمارے میں دیکھ سکتے ہیں۔

## مشہور شخصیات کے بارے میں غامدی صاحب کی آرا

غامدی صاحب نے مختلف پلیٹ فارمز پر اب تک عالم اسلام کی متعدد مشہور سیاسی، سماجی اور علمی شخصیات کے بارے میں اپنی آرا اور تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ غامدی سینٹر نے ناظرین کی سہولت کے لیے تمام شخصیات سے متعلق غامدی صاحب کے تاثرات اور آرا کو علیحدہ علیحدہ ترتیب دے کر اپنے یوٹیوب چینل پر نشر کر دیا ہے، تاکہ دل چسپی رکھنے والے لوگ ان میں سے کسی بھی شخصیت کے بارے میں غامدی صاحب کی رائے کو بہ آسانی جان سکیں۔

## ''تفہیم الآثار'' پروجیکٹ

غامدی سنٹر آف اسلامک لرننگ، امریکہ کے زیر اہتمام ''تفہیم الآثار'' کے عنوان سے نشر ہونے والے پروگرام میں گذشتہ ماہ معروف احادیث کی روشنی میں جن اہم نکات پر بات کی گئی،

وہ یہ ہیں: ''صحابہ کا طبقہ امت کا بہترین طبقہ ہے''، ''میرے اصحاب میری امت کے لیے امان ہیں''، ''اصحاب بدر اور اصحاب شجرہ کی مغفرت''، ''بدعات سے اجتناب اور خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی کی جائے'' اور ''افتراق کی صورت حال میں نجات کا راستہ وہ ہے جس پر صحابہ قائم ہوں''۔ ان پروگراموں کو ادارے کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

## ''میزان'' کی انگریزی زبان میں تدریس

شہزاد سلیم صاحب کی ''میزان'' کی انگریزی زبان میں تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ ہر ماہ ''میزان'' کے مختلف موضوعات پر انگریزی زبان میں لیکچر ز ریکارڈ کراتے ہیں۔ گذشتہ ماہ انھوں نے جو لیکچر ز ریکارڈ کرائے، ان کے موضوعات یہ ہیں: ''قذف کی سزا''، ''چوری کی سزا''، ''فلسفۂ جہاد''، ''قتل کی سزا'' اور ''مناسکِ حج''۔ ان لیکچرز کو غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھا جاسکتا ہے۔

## غامدی صاحب کی ہفتہ وار سوال و جواب کی نشستیں

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ہر ہفتے سوال و جواب کی لائیو نشست منعقد کی جاتی ہے، جس میں حسن الیاس صاحب غامدی سینٹر کو موصول ہونے والے مختلف نوعیت کے سوال غامدی صاحب کے سامنے رکھتے ہیں اور غامدی صاحب ان کا جواب دیتے ہیں۔ گذشتہ ماہ ان نشستوں میں زیر بحث آنے والے سوالات یہ ہیں: ''حدیث ثقلین کی حقیقت کیا ہے؟''، ''کیا جیلیٹن کا استعمال کیا جاسکتا ہے؟''، ''خدا سے تعلق کی بنیاد کیا ہے؟'' اور ''امام شاطبی کا تعارف''۔ سوال و جواب کی ان نشستوں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

## غامدی سینٹر کی آن لائن خانقاہ

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام آن لائن خانقاہ کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ بنیادی طور پر اصلاحِ نفس سے متعلق پروگرام ہے، جس میں معز امجد صاحب لوگوں کے نفس کی اصلاح اور تربیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہیں اور اس سے متعلق لوگوں کی طرف سے پوچھے گئے سوالوں کا جواب

بھی دیتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس سلسلے کی چار نشستیں منعقد ہوئیں، جن کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

## ''مشینی کلچر کا سیلاب''

محمد ذکوان ندوی صاحب نے اپنے اس مضمون میں موجودہ زمانے میں مشینی کلچر اور جدید ٹیکنالوجی پر بہت زیادہ انحصار کے نتیجے میں انسانی جذبات اور صلاحیتوں پر ہونے والے منفی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موجودہ زمانے کا بحران یہ ہے کہ مشینی کلچر نے انسان کو پوری طرح ایک مشینی حیوان بنا دیا ہے۔ مختلف سائنس دانوں اور مغربی مصنفین کے حوالے دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ موجودہ دور میں مصنوعی یا مشینی ذہانت کا یہ لامتناہی ارتقا اور ٹیکنالوجی پر اس قدر انحصار نئی نسل کو اچھی تحریر اور انسانی روابط جیسی صلاحیتوں سے محروم کرتا جا رہا ہے۔ اس مضمون کو ''اشراق'' امریکہ کے جولائی 2024ء کے شمارے میں پڑھا جاسکتا ہے۔

## ''Lessons of Life Series''

ڈاکٹر شہزاد سلیم ہر مہینے ''Lessons of Life Series'' کے زیر عنوان معاشرتی، اخلاقی اور دینی موضوعات سے متعلق مختصر دورانیے کے متعدد لیکچرز ریکارڈ کراتے ہیں۔ جولائی 2024ء میں انھوں نے جن موضوعات پر گفتگو کی، وہ یہ ہیں: ''بیماری میں بہتری کے پہلو''، ''ضروری مشغولیات''، ''فرد کی طاقت''، ''تاریکی میں روشنی کی کرن'' اور ''اپنی مجروح اَنا پر قابو پانا''۔ یہ لیکچرز غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

## دینی آرا پر مبنی فتاویٰ کا اجرا

شریعت کے قانونی اطلاقات کے حوالے سے لوگ اکثر ''غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ'' سے رابطہ کرتے ہیں۔ انھیں نکاح و طلاق، وراثت (inheritance) اور بعض دیگر معاشی اور معاشرتی پہلوؤں سے اطلاقی آرا کی ضرورت ہوتی ہے۔ گذشتہ ماہ اسی نوعیت کی مختلف ضرورتوں

کے تحت 4 فتوے جاری کیے گئے۔ انھیں جناب جاوید احمد غامدی کی رہنمائی میں حسن الیاس صاحب نے جاری کیا۔

## 23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز کا انگریزی زبان میں خلاصہ

23 اعتراضات کی اس ویڈیو سیریز میں غامدی صاحب کے افکار پر روایتی مذہبی فکر کی طرف سے کیے گئے اعتراضات اور تنقیدات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر شہزاد سلیم اس سیریز میں اب تک کے زیر بحث آنے والے تمام موضوعات کا انگریزی زبان میں خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ شہزاد سلیم صاحب نے 23 اعتراضات کی سیریز میں زیر بحث آنے والے موضوع ''نزولِ مسیح'' کا خلاصہ بیان کیا۔ ان پروگرامز کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

## ''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ''

گذشتہ ماہ ''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ'' کے پروگراموں میں ملحدین کی طرف سے خدا پر کیے جانے والے اعتراضات و سوالات کو زیر بحث لایا گیا۔ مزید برآں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی حقیقت اور تعبیر کو بھی واضح کیا گیا۔ ان پروگراموں میں زیر بحث آنے والے چند اہم سوالات یہ ہیں: ''رحیم و کریم خدا اپنے بندوں کو اذیت ناک بیماریوں میں کیسے مبتلا کر سکتا ہے؟''، ''کیا عمل کا امتحان انبیا کے لیے انسانوں کی نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے؟'' اور ''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خواب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا مطالبہ کیوں کیا؟''۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

## ''اسلام اسٹڈی سرکل''

جولائی 2024ء میں ''اسلام اسٹڈی سرکل'' پروگرام میں قرآن مجید، حدیث اور بائیبل کے جو موضوعات زیر بحث رہے، ان کے عنوانات بالترتیب یہ ہیں: ''دین میں کوئی جبر نہیں''، ''مصیبتیں

گناہوں کو مٹاتی ہیں'' اور ''خوفِ خدا''۔ مزید برآں، سیشن کے آخر میں خیرات کرنے کے حوالے سے بھی گفتگو کی گئی اور سوالوں کے جواب دیے گئے۔ اس کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

## ''مولانا اصلاحی کی جماعت اسلامی میں شمولیت کا واقعہ''

''حیاتِ امین'' کی گذشتہ ماہ شائع ہونے والی قسط میں جناب نعیم احمد بلوچ نے مولانا امین احسن اصلاحی کے جماعت اسلامی میں شامل ہونے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں مولانا منظور احمد نعمانی کے کردار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کے قیام کے بعد مولانا منظور احمد نعمانی مولانا اصلاحی کے پاس آئے اور ان کو جماعت میں شمولیت کی دعوت دی۔ مولانا اصلاحی نے انکار کر دیا۔ مولانا اصلاحی کے انکار کے باوجود مولانا منظور احمد نعمانی مصر رہے اور لاہور میں مولانا مودودی سے ان کی ملاقات بھی کرا دی۔ چند دنوں کے بعد جماعت اسلامی قائم کرنے کے لیے باقاعدہ اجتماع منعقد ہونے کا اعلان ہوا تو مولانا اصلاحی کو بھی بلایا گیا، لیکن وہ اس میں نہیں گئے اور مولانا کی مرضی کے بغیر ان کا نام جماعت اسلامی کے اراکین میں شامل کر دیا گیا۔

## ہفتہ وار درسِ قرآن و حدیث

جولائی 2024ء میں غامدی سینٹر کے زیر اہتمام جناب جاوید احمد غامدی کے لائیو درسِ قرآن و حدیث کی نشستوں میں غامدی صاحب نے سورۂ کہف کی 27 تا 55 آیات کا درس دیا، جب کہ درس حدیث کی نشستوں میں عذاب قبر سے متعلق اللہ تعالیٰ کے قانون پر بات کرتے ہوئے ان سوالوں کے جواب دیے گئے کہ کیا سبز ٹہنیوں کو قبر پر رکھنے سے عذاب کم ہوتا ہے؟ اور کیا پیشاب کے قطروں سے قبر کا عذاب ہو گا؟ قرآن و حدیث کے دروس کی یہ نشستیں غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

## ''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس

شہزاد سلیم صاحب غامدی صاحب کی تفسیرِ قرآن ''البیان'' کی انگریزی زبان میں تدریس کا

فریضہ سر انجام دے رہے ہیں۔ جولائی 2024ء میں انھوں نے ان نشستوں میں سورۂ آل عمران کی آیات 45 تا 103 پر بات کی۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

## ''فکر غامدی پر تنقید کیسے کریں؟''

سید منظور الحسن کا یہ مضمون ایک تنقید کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ منظور صاحب نے بیان کیا ہے کہ فکر غامدی کے ناقدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان باتوں کا لحاظ رکھیں: ایک یہ کہ فکر غامدی کا دائرہ 'معارفِ اسلامی' ہے۔ اِس دائرے کا اپنا پس منظر، اپنی روایت، اپنے دلائل، اپنے حقائق، اپنے مسلمات اور اپنی اصطلاحات ہیں۔ ناقدین کے لیے لازم ہے کہ وہ اِس دائرے کے اندر کھڑے ہو کر اپنی تنقید پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ غامدی صاحب کا پورا کا پورا نظام فکر ''البیان''، ''میزان'' اور ''مقامات'' کی شکل میں صفحۂ قرطاس پر موجود ہے۔ لہٰذا ناقدین کے پاس اِس امر کی کوئی گنجایش نہیں ہے کہ وہ فکر کی تغلیط کے لیے متن کے علاوہ کسی اور جانب رجوع کریں۔ تیسرے یہ کہ فکرِ غامدی نے معارفِ اسلامی کی فکری روایت میں نقد و جرح، تحقیق و تنقیح اور تجدید و اصلاح کا جو کام کیا ہے، اُس کا فہم ناگزیر ہے۔

## غامدی سینٹر کا آن لائن تعلیمی کورس

جولائی 2024ء میں غامدی سینٹر نے اپنے آن لائن لرننگ پلیٹ فارمز Udemy اور Teachable کے لیے انگریزی زبان میں ''What is the Reality of Jihad in Islam?'' کے عنوان سے ایک تعلیمی کورس شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر شہزاد سلیم نے اس کورس کے استاد کے طور پر تعارف اور 11 ویڈیو لیکچرز ریکارڈ کرائے ہیں۔ واضح رہے کہ غامدی سنٹر کے آن لائن کورسز کو منفرد اور دل چسپ بنانے کیلیے ویڈیوز کو جدید انداز میں ایڈیٹ کیا جاتا ہے۔ یہ کورس غامدی سینٹر کی ویب سائٹ پر نہایت کم قیمت پر دستیاب ہے۔

## Ask Dr. Shehzad Saleem

یہ سوال وجواب کی لائیو ماہانہ نشست ہے، جس میں ڈاکٹر شہزاد سلیم لوگوں کے ذہنوں میں اٹھنے والے مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی موضوعات سے متعلق سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ اس نشست میں لوگ اردو اور انگریزی، دونوں زبانوں میں اپنے سوال پوچھ سکتے ہیں۔

## ''سنڈے اسکول'' میں اندراج

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام چلنے والے ''سنڈے اسکول'' کا مقصد طلبہ میں قرآن و سنت کی روشنی میں بنیادی اسلامی اقدار کو پروان چڑھانا ہے۔ یہ اسکول ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب کی نگرانی میں سرگرم عمل ہے۔ اس اسکول کے فیکلٹی ممبران کالج اور یونیورسٹی کے وہ طلبہ ہیں جو غامدی سینٹر اور ''المورد'' کی دعوت سے متاثر ہیں اور اس کے کاموں میں اپنا حصہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سنڈے اسکول میں نئے طلبہ کے اندراج کا آغاز جولائی 2024ء سے ہو چکا ہے۔

## شہزاد سلیم صاحب کے آن لائن نجی مشاورتی سیشن

شہزاد سلیم صاحب ہر ماہ لوگوں سے آن لائن نجی مشاورتی سیشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان سیشنز میں لوگ اپنے مختلف ذاتی اور خاندانی نوعیت کے مسائل میں شہزاد سلیم صاحب سے مشاورت کرتے ہیں۔ گذشتہ ماہ اس سلسلے کے 30 سے زائد سیشنز ہوئے۔ ان سیشنز میں لوگوں نے شہزاد سلیم صاحب سے والدین کو درپیش مشکلات اور نوعمری اور ازدواجی مسائل کے حل کے لیے مشاورت کی۔